عليكم انفسكم لا يضركم من ضل اذا اهتديتم

طلوعِ اسلام

ستمبر ۱۹۴۰ء

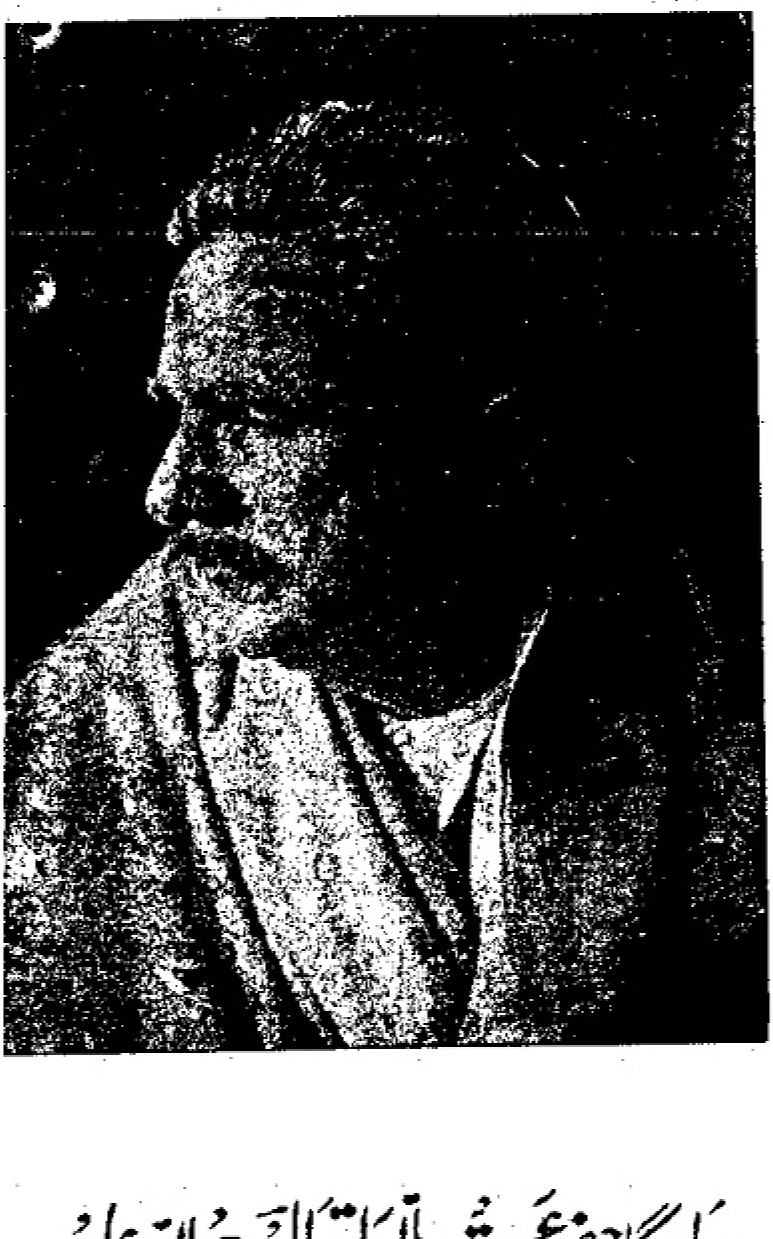

بیادگار حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی حیات اجتماعیہ کا

ماہوار مجلہ

طلوع اسلام

دہلی

(دور جدید)

مرتب
اخوند زادہ حسین امام

جلد (۳) شمارہ (۹)

بدل اشتراک
پانچ روپیہ 5/- سالانہ
ششماہی تین روپے 3/-

رجب ۱۳۵۹ھ مطابق ستمبر ۱۹۴۰ء

فہرست مضامین

لمعات	ادارہ	۱—۲۳
نظم	اسد ملتانی	۲۴—۲۵
حقائق و عبر	ادارہ	۲۶—۳۱
زندہ رود	حضرت علامہ اسلم صاحب جیراج پوری	۳۲
حضرت ابراہیم کے (معاذاللہ) جھوٹ	ادارہ	۳۳—۵۴
توجہ طلب!		۵۵—۵۶
اطاعت امیر	از مبصر	۵۷—۷۲
بخاری شریف کی چند احادیث مقدسہ		۷۳—۸۵

لمعات

انسان کے جسم کی حرارت مقیاس الحرارت (تھرمامیٹر) سے ناپی جاسکتی ہے۔ اس کے دل کی حرکت کا اندازہ نبض کے تموج سے لگایا جاسکتا ہے۔ اس کے خون کی صلاحیت چہرے کی شگفتگی و بشاشت سے پہچانی جاسکتی ہے۔ اس کی صحت کی عام حالت اس کی حرکات و سکنات سے قیاس کی جاسکتی ہے لیکن ایک قوم کی زندگی صرف اس امر سے پہچانی جاسکتی ہے۔ کہ اس میں اطاعت کا مادہ کتنا ہے۔ اس کی حرارت و صلاحیت صحت و قوت ماپنے کا یہی ایک پیمانہ ہے۔ اس کے عمل و ایثار اور نصب العین کے ساتھ شیفتگی و وابستگی کے تولنے کی یہی ایک میزان ہے۔ یہی وہ کسوٹی ہے جس پر کھوٹے اور کھرے کی پرکھ ہوتی ہے۔ یہی وہ صراط مستقیم ہے جس سے راہ رو اور راہ گم کردہ کی پہچان ہوتی ہے۔ یہ تمام نظام کائنات اطاعت پر قائم ہے۔ زمین کا گراں بار کرہ فضا میں معلق و سرگرداں ہے۔ تو اسی کے زور پر۔ زمین سے لاکھوں گنا بڑا سورج اپنے پورے نظام کو سنبھالے ہوئے ہے تو اسی کی بنا پر۔ یہ بڑے بڑے فلک بوس پہاڑ اسی کی قوت کے سہارے کھڑے ہیں یہ حدود فراموش سمندر اسی کے ذریعہ اپنے ساحلوں میں گھرا بندھا ہے۔ ستاروں کی انجمن میں جمال و زینت ہے تو اسی سے۔ پھولوں کی محفل میں سامان رنگ و تعطر ہے تو اسی کی وجہ سے۔ غرضیکہ سلسلۂ کائنات میں تمام نظم و ضبط۔ ہر قسم کا ربط و تسلسل صرف ایک بنیاد پر قائم ہے اور وہ چٹان کی سی مضبوط بنیاد ہے۔ اطاعت۔ بے غل و غش اطاعت مکمل اطاعت۔ بے چون و چرا اطاعت۔ طوعاً و کرہاً اطاعت۔

زندگی کا راز اطاعت میں مضمر ہے

کسی قوم میں جس قدر اطاعت کا مادہ زیادہ بڑھتا جائے گا۔ اسی قدر اس قوم میں زندگی پیدا ہوتی جائے گی آپ تاریخ کے اوراق کو دیکھئے۔ ہر ہر ورق پر یہی حقیقت مثبت نظر آئے گی۔ عہد رواں کے احوال و ظروف پر

نگاہ ڈالئے۔ ہر مقام پر یہی اصول کارفرما نظر آئے گا اور ان سب سے نظر ہٹا کر اس سرچشمہ علم وحقیقت کو دیکھئے جو دنیا کی ہر حقیقت ثابتہ کے لئے مصداق اور کائنات کے ہر مسلمہ اصول کا معیار حقیقی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب مبین کا ہر صفحہ اسی زندہ حقیقت کا شاہد ہے۔ اس کے نزدیک جنت۔ اطاعت کے اندر ہے۔ اور جہنم۔ معصیت کا فطری نتیجہ۔ اس لئے وہ نادانستہ اور سہواً فروگذاشت کو تو معاف کرسکتا ہے۔ لیکن عمداً سرکشی، طغیان اور معصیت و عدوان کے لئے وہاں سے کبھی معافی نہیں مل سکتی۔ فرد ہو یا جماعت، معصیت کی سزا تباہی و ہلاکت کا عذاب الیم ہے۔ یہ فطرت کا اٹل قانون ہے جو کسی کے لئے بدل نہیں سکتا۔ یہ اس کا آئین ہے جس کے آئین میں کبھی تبدیلی نہیں ہوا کرتی۔

غور کیجئے۔ کہ آپ ایک جماعت پیدا کرتے ہیں (چھوڑ دیجئے سردست اس بحث کو کہ وہ جماعت کیسی ہے) آپ سب کچھ دیکھ بھال کر اس جماعت سے اپنے آپ کو منسلک کرتے ہیں۔ اس کے آئین و ضوابط کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی رکنیت قبول کرتے ہیں۔ اپنے میں سے ایک امیر متعین کرتے ہیں۔ اس امیر کی اطاعت کا اقرار کرتے ہیں۔ دنیا بھر میں اس تمسک و اقرار کا اعلان کرتے ہیں آپ کا یہی اقرار اس امیر کی قوت اور آپ کا تمسک اس جماعت کی زندگی ہے۔ پھر اگر آپ کی یہ حالت ہو کہ آپ اس جماعت سے وابستگی کا دعویٰ کرتے جائیں لیکن اس کے آئین و ضوابط کی پرواہ نہ کریں۔ اس سے منسلک و متمسک ہونے کا اعتراف تو ہر وقت ہو لیکن اس کے امیر کی اطاعت صرف اس وقت تک کریں جب تک اس اطاعت میں آپ کو اپنا ذاتی مفاد نظر آتے اور جونہی آپ کی کسی خواہش یا مصلحت کا تقاضا کچھ اور ہو۔ آپ بلا تامل اس کی اطاعت کا قلاوہ اتار پھینکیں لیکن بایں ہمہ اس جماعت کی رکنیت کا دعوے بدستور قائم رکھیں۔ تو فرمائیے کہ آپ کی اس روش کو حقائق کی دنیا میں کس نام سے پکارا جائے گا۔ اور غور کیجئے کہ آپ کے اس مسلک سے اس جماعت کی زندگی پر کیا اثر پڑے گا۔ بات سیدھی ہے؛ اگر آپ اس جماعت کے ساتھ

متمسک رہنا چاہتے ہیں۔ تو اس کے قواعد و ضوابط کی پابندی کیجئے۔ اپنے امیر کی اطاعت کیجئے اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ آپ کے ذاتی مصالح کے خلاف ہے۔ تو اس جماعت سے الگ ہو جائیے۔ یہ

منکرِ مے بودن و ہم رنگِ مستاں زیستن

کی زندگی تو شرفِ انسانیت کی آئینہ دار نہیں ہوسکتی۔

نشاۃ ثانیہ کے بعد مسلم لیگ میں قوت پیدا ہونی شروع ہوئی تو بہت سے جاہ پرست حضرات بھی چار و ناچار اس کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔ بچارے کیا کرتے۔ کافر نتوانی شد۔ ناچار مسلماں شو۔ لیگ کا ابتدائی وقت تنظیم میں صرف ہوا اور اس منزل میں کوئی ایسی گھاٹی نہ آئی جہاں ان اربابِ جاہ و ہوس کی لغزشِ پا کا امتحان ہوسکتا۔ اس کے بعد ان کی شامت اعمال سے ایک ایسا موقع آگیا۔ جہاں ان کے کفر و ایمان کو کھل کر سامنے آجانا پڑا۔ مسلم لیگ نے فیصلہ کیا کہ اراکین لیگ کو جنگی کمیٹیوں میں شامل نہیں ہونا چاہیئے۔ غور فرمائیے! یہ کونسا ایسا فیصلہ تھا جس کی پابندی سے ان پر آسمان ٹوٹ پڑتا۔ ان کی جماعت نے ان سے جانیں نہیں مانگی تھیں۔ مال نہیں طلب کیا گیا۔ گھر بار چھوڑنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ آگ میں کود پڑنے کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔ لیکن ان اربابِ ہوس و جاہ کے نزدیک یہ فیصلہ ان تمام "مصائب" سے بڑھ کر جانکاہ تھا۔ اس لئے کہ اب یہ دو "آقاؤں" کے درمیان گھر گئے تھے۔ ایک طرف سرکار دولتمدار، کہ دل سے یہ جس کے ساتھ تھے۔ لیکن بعض مصالح کی بنا پر بظاہر کنارہ کش۔ اور دوسری طرف مسلم لیگ، کہ بظاہر یہ جس کے ساتھ تھے لیکن دل سے اس سے الگ۔ اب ان "دو آقاؤں" میں سے ایک ہی رہ سکتا تھا۔ جنگی کمیٹیوں سے عدم تعاون کرتے ہیں تو "آقائے حقیقی" کی جبینِ ابرو کا خوف لرزہ پیدا کر دیتا ہے۔ ان سے تعاون کرتے ہیں تو جماعتی پابندی عناں گیر ہو جاتی ہے۔ یا اللہ! کس مصیبت میں پھنس گئے! اچھی بھلی لیڈری کی شان بھی قائم تھی اور سرکار کا اعتماد بھی حاصل۔ لیکن تذبذب میں زیادہ دیر تک نہیں رہا جاسکتا تھا وہاں تو فوری فیصلہ کا مطالبہ تھا۔ فیصلہ کیا۔ اور علی الاعلان جنگی

کمیٹیوں میں شامل ہو گئے۔ بہت اچھا! یونہی سہی۔ آپ پر جبر تھوڑا ہے! لیکن ڈھٹائی ملاحظہ ہو کہ مسلم لیگ سے الگ بھی نہیں ہوتے۔ کہا جاتا ہے کہ یا جنگی کمیٹیوں سے علیحدہ ہو جاؤ۔ یا لیگ سے استعفیٰ دیدو۔ لیکن انہوں نے سوچا کہ لیگ کے پاس وہ قوت کونسی ہے جس کی بنا پر وہ انہیں ان میں سے ایک بات اختیار کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ لیکن الحمد للہ کہ بعض صوبوں کی لیگ نے بتا دیا کہ اگر ان کے پاس وہ قوت نہیں کہ انہیں جنگی کمیٹیوں سے الگ کر دے۔ تو یہ قوت تو موجود ہے کہ انہیں لیگ سے علیحدہ کر دے انہوں نے نہایت جرأت و بسالت سے کام لیا۔ اور ان لوگوں کی وجاہت و ثروت کی پرکاہ کے برابر بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان رستے ہوئے ناسوروں کو جسدِ ملت سے کاٹ کر الگ پھینک دیا کہ باقی حصۂ بدن بھی زہر آلود نہ ہو جائے۔ ان تمام صوبوں میں سب سے زیادہ مستحق تبریک و تحسین ہے پنجاب کی مسلم لیگ اور اس کے صدر جناب نواب سر شاہنواز خاں صاحب۔ پنجاب میں جناب سر سکندر حیات خاں صاحب کے دم قدم کی برکت سے مسلم لیگ جن مشکلات کے نرغے میں گھری ہوئی ہے۔ وہ اربابِ بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔ انہیں مشکلات کو لیکر پنجاب لیگ کا وفد صدر مرکزی لیگ کے خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں سے فیصلہ ملا کہ یہ مشکلات بجا اور درست۔ لیکن بحالاتِ موجودہ جنگی کمیٹیوں میں شمولیت کی اجازت نہیں دیجا سکتی۔ سر شاہنواز خاں صاحب کے لئے یہ وقت بڑا نازک تھا۔ ان کے سامنے بھی بیم و رجا کا وہی دوراہا تھا جہاں پہونچکر ان کے کئی ساتھی جماعت کا ساتھ چھوڑ کر اپنے مصالح کی نظر فریب اور سراب آمیز وادیوں میں چل نکلے تھے۔ لیکن انہوں نے کشش و جاذبیت کے ان تمام عنکبوتی تاروں کو بیک ارتعاشِ قلب توڑ دیا اور فیصلہ کر دیا کہ جنگی کمیٹیوں سے تعاون نہیں کیا جائے گا۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

نواب شاہنواز خاں! اللہ آپ کو خوش رکھے کہ آپنے اطاعت امیر اور رفاقتِ جماعت سے ایسے آڑے وقت میں قوم کی آبرو رکھ لی۔ بات چھوٹی سی تھی۔ لیکن اس کے عواقب قوم کے لئے بڑے پریشان کن تھے۔

پنجاب کے غیور مسلمانو! نواب شاہنواز خاں کے ہاتھ ایسے مضبوط کر دو۔ کہ طاغوتی قوتیں ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکیں۔ تم تو نو کروڑ اسلامیانِ ہند کی ریڑھ کی ہڈی ہو۔ تمہارے عزم و ایثار سے تو باقی مسلمانوں کے بھی حوصلے بندھے ہوئے ہیں۔ تم اپنے خلوص و دیانت کو ساتھ لئے ہوئے جس کے ساتھ ہو جاؤ۔ خدا کی نصرت اس کے ساتھ ہو جائے گی اور جس کے ساتھ خدا کی نصرت ہوگی اسے پھر کس سے خوف و حزن ہو سکتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو اس پر غالب آ سکتا ہے؟ ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذالذی ینصرکم من بعدہ (۳/۱۵۹)۔ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی ایسا نہیں جو تم پر غالب آ جائے اور اگر وہی تمہیں چھوڑ دے تو پھر تمہاری مدد کون کر سکتا ہے۔

ایک چیز البتہ ایسی ہے۔ جس سے بہت سے ذہن ابھی تک پریشان اور بہت سے قلوب طلسم پیچ و تاب ہیں۔ اور وہ مسئلہ ہے وزراء کا جنگی کمیٹیوں سے تعاون۔ سر سکندر حیات خاں صاحب نے اعلان کیا کہ وزرا عدم تعاون کے فیصلے سے مستثنیٰ قرار دئے گئے ہیں مسٹر جناح نے غیر مبہم الفاظ میں اس کی تردید کی اور اعلان کر دیا کہ اس فیصلہ سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں۔ اس کے باوجود سر سکندر اور ان کی جماعت (اور بنگال کی وزارت) جنگی کمیٹیوں میں شامل ہے۔ سوال یہ ہے کہ لیگ کے فیصلہ سے ایسی کھلی ہوئی سرتابی کے متعلق ابھی تک کوئی تعزیری اقدام کیوں نہیں کیا گیا؟

سوال واقعی بڑا اہم ہے۔ لیکن ذرا سوچئے کہ مسٹر جناح کے پاس وہ کونسی قوت ہے جس کی بنا پر وہ تعزیری احکام صادر کرکے انہیں نافذ العمل بنا سکتے ہیں! ظاہر ہے کہ ان کی ذات میں تو کوئی ایسی قوت موجود نہیں۔ وہ قوت لامحالہ قوم کی یک جہتی اور اطاعت ہی کی پیدا کردہ ہو سکتی ہے۔ لہٰذہ اگر مسٹر جناح اس وقت تک کوئی تعزیری قدم نہیں اٹھا سکے۔ تو اس سے قوم کو سمجھ لینا چاہئیے کہ ان کی یک جہتی اور اطاعت اس حد تک نہیں پہونچی جو اس انداز کی قوت پیدا کر سکے جس کی مسٹر جناح کو ضرورت ہے۔..... ایسے مواقع ایک قومی رہنما کے لئے فی الحقیقت بڑے کرب و ابتلا کے ہوتے ہیں۔

ایک طرف خود غرض "رفقائے کار" کی سرکشی و عدوان کے ملی نقصانات ۔ دوسری طرف ان کے خلاف تعزیری اقدام کی صورت میں ان کی مفسدہ پردازیوں کی روک تھام کے لئے قوت کی کمی ۔ اس مقام پر اس کے لئے یہ تولنا ضروری ہو جاتا ہے کہ ان دونوں مفاسد میں سے کونسا مفسدہ ملت کے لئے کم نقصان کا باعث ہے ۔ اس میں شبہ نہیں کہ ایسے وقت میں جذبات کا تقاضا بھی یہی ہوتا ہے کہ سرکشی وسرتابی کی سزا ضرور دی جائے ورنہ وقار (PRESTIGE) پر حرف آتا ہے ۔ اس لئے یہ امتحان اور بھی سخت ہو جاتا ہے ۔ ایسے میں جذبات پر قابو رکھنا اور پھر یہ موازنہ کرنا کہ ہر دو نقصانات میں سے کونسا نقصان زیادہ ضرر رساں ہے صاحب ہمت وبصیرت کا کام ہے ۔ ملت اسلامیہ کی خوش بختی ہے کہ ان کے سیاسی مدار المہام کو اللہ تعالےٰ نے ہمت وبصیرت سے بہرہ وافر عطا فرمایا ہے ۔ مسٹر جناح نے حالات کی نزاکت پر ٹھنڈے دل سے غور کیا ۔ اور گہرے تدبر کے بعد وہ راہ اختیار کی جو مفاد ملت کے لئے کم ضرر رساں ہے ۔ ہر چند اس میں انہیں اپنے ذاتی جذبات پر بھی بڑا جبر کرنا پڑا ۔ سطحی نگاہیں ان کے اس فیصلہ کو کم ہمتی پر محمول کریں گی لیکن ہمارے نزدیک ان کا فیصلہ اعلیٰ ہمت اور بصیرت کا آئینہ دار ہے ۔ جب حضرت موسیٰؑ طور پر معتکف ہونے کیلئے گئے ۔ تو قوم کو حضرت ہارونؑ کی نگرانی میں چھوڑ گئے ۔ ان کی عدم موجودگی میں سامری نے بچھڑا بنایا اور قوم اس کی پرستش کرنے لگ گئی جب حضرت موسےٰؑ نے آکر دیکھا کہ قوم گوسالہ پرستی میں الجھ رہی ہے تو نہایت غمناک ہو کر حضرت ہارونؑ سے پوچھا کہ ما منعک اذ رایتھم ضلوا ۔ " جب تو نے دیکھا کہ قوم یوں گمراہ ہو رہی ہے تو تمہیں کس چیز نے اس بات سے روکا کہ تو انہیں اس شرک سے منع کرتا " حضرت ہارونؑ نے جواب دیا کہ میں نے اگر سختی سے نہیں روکا ۔ تو صرف اس خیال سے کہ ۔ انی خشیت ان تقول فرقت بین بنی اسرائیل ولم ترقب قولی ۲۰/۹۴ " میں ڈرا کہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا ۔ اور میرے حکم کی انتظار نہ کی ۔ اس پر حضرت موسےٰؑ نے انہیں کچھ اور نہیں کہا ۔

دیکھئے ! حضرت ہارونؑ خود نبی ہیں، قوم ان کی نگرانی میں دی گئی ہے ۔ اس نے گوسالہ پرستی کی راہ اختیار کر لی ہے ۔ اس جرم کے نتائج ان کے سامنے ہیں ۔ لیکن سختی نہیں کرتے کہ انہیں ڈر ہے کہ اس سے

ان میں تفرقہ پیدا ہو جائے گا۔ اور تفرق نہ تحزب کے عواقب۔ سختی میں التوا کے نتائج سے کہیں زیادہ ضرر رساں ہیں۔ اس لئے وہ انتظار کرتے ہیں کہ حضرت موسےٰؑ واپس تشریف لے آئیں تو پھر ان کی قوت کے ساتھ وہ قدم اٹھایا جائے کہ گوسالہ پرستی بھی ختم ہو اور تفرقہ بھی پیدا نہ ہو۔

کچھ ایسے ہی حالات مسٹر جناح کے سامنے ہیں۔ اور وہ تفرقہ انگیزی اور مفسدہ پردازی کے ہولناک عواقب کے پیش نظر لیگ کے فیصلہ سے سرتابی کے خلاف سختی میں التوا ضروری سمجھتے ہیں تا آنکہ وہ قوت نہ پیدا ہو جائے کہ سرتابی کی سزا بھی دی جائے اور تفرقہ انگیزی کا خطرہ بھی نہ ہو اور یہ طاقت جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ قوم ہی پیدا کر سکتی ہے۔ مسٹر جناح کا یہ فیصلہ نہ مداہنت پر مبنی ہے نہ دون ہمتی پر۔ بلکہ قوم کی موجودہ حالت کے پیش نظر اھون البلیتین (LESSER EVIL) کا انتخاب ہے۔ اور اسے صرف اس وقت تک روا رکھا جائے گا جب تک قوت پیدا نہیں ہوتی۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ مسٹر جناح ضبط (DISCIPLINE) کو قائم رکھنے کے لئے سخت تعزیری احکام نافذ کریں تو ان کے ہاتھوں کو ایسا آہنی بنا دیجئے کہ کسی کو سرتابی کی مجال نہ رہے۔ کمی آپ کی طرف سے ہے۔ مسٹر جناح کی طرف سے نہیں

پھر جس طرح حضرت ہارونؑ کے سختی میں التوا سے قوم کا جرم کم نہیں ہو گیا تھا اسی طرح مسٹر جناح کی موجودہ روش سے ان معصیت کوش۔ سرکش۔ عناں تاب۔ غداران ملت کے جرم میں کسی قسم کی کمی نہیں ہو گئی۔ ان کے جرائم قوم کے سامنے ہیں۔ اور جس دن بھی قوم میں وہ قوت پیدا ہو گئی جس سے ان کے طرہ ہائے تمرد و تکبر میں خمیدگی پیدا ہو سکے تکبر و فرعونیت کے یہ جھنڈے اسی دن سرنگوں ہو جائیں گے

گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافات عمل غافل مشو

(۲)

مغربی بساط سیاست کے مہروں کی نقل و حرکت کا اثر اسی سرزمین تک محدود نہیں۔ بلکہ عالمگیر ہے۔ وہاں کے شعلہ ہائے گرد و پیش کا ایسا لرزہ خیز ہے کہ اس سے دور دراز کے قصور سلطنت اپنی

بنیادوں میں تزلزل محسوس کر رہے ہیں ہر قوم کو اپنے مستقبل کی فکر دامنگیر ہے - اس ہوش ربا ہنگامۂ رست وخیز میں دیکھئے کہ مسلمانوں کا کیا حصہ ہے ؟ مسلمانوں کی ایک آدھ سلطنت کو چھوڑ کر باقیوں کی یہ حالت ہے کہ اس ہماہمی میں دوسروں کے رحم و کرم کے محتاج - یوں پا بجولان - انتہائی بیکسی وبے بسی کے عالم میں بچشمِ حیرت سے اس تماشہ کو دیکھ رہے ہیں - جیسے نخاس میں کوئی غلام اپنے آقاؤں کی تبدیلی کا منظر دیکھ رہا ہو - اس قیامت خیز ہنگامہ میں ان کا صرف اتنا حصہ ہے کہ ہم آج کس کے غلام ہیں اور اس کے بعد ہمارا آقا کون ہوگا ! اللہ اکبر ! وہ قوم جسے دنیا کی امامت کے لئے بھیجا گیا تھا - جو تمام عالم انسانیت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ پر مامور کئے گئے تھے - جو دنیا بھر سے غلامی اور محکومی کی لعنت مٹانے کے لئے آئے تھے - ان کی کس مپرسی کی آج یہ حالت ہے - ایک قرآن کو چھوڑ دینے سے ان سے کیا کیا چھن گیا من اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃً ضنکاً و نحشرہ یوم القیامۃ اعمیٰ $\frac{20}{124}$

اس تمام ہنگامہ میں ہندی مسلمان کی حالت سب سے بدتر ہے - یہاں دو بڑی قومیں آباد ہیں - قوم مقابل کی یہ حالت ہے کہ وہ ہر آنے والے انقلاب کے لئے بالکل تیار ہے - انگریز کی فتح کی صورت میں وہ قوم ان سے ابھی سے سودے کر رہی ہے - اور قرائن و شواہد سے قیاس کیا جاسکتا ہے - کہ یہ سودا درجۂ لوآبادیات پر آکر چک جائے گا - اگر بفرضِ محال ہندوستان پر روس حملہ آور ہو تو اس قوم کو بالشویزم قبول کرنے میں بھی ذرا باک نہ ہوگا - ان کی مہاجنیت بالشویزم کے رستہ میں ضرور حائل ہوسکتی تھی - لیکن یہ پہلے ہی انفرادی مہاجنیت کو مٹا کر قومی مہاجنیت میں تبدیل کئے جارہے ہیں - باقی رہا مذہب - سو ہندو مت کی آج تک کوئی جامع تعریف ہی نہیں ہوسکی - اس کا دامن اتنا وسیع ہے کہ اس میں پنڈت جواہر لال نہرو جیسا ناستک (خدا کا منکر) بھی اسی طرح سما سکتا ہے جس طرح ہزاروں دیوتاؤں کو ماننے والا پنڈت مالویہ - ان کے ہاں چھ شاستر ایسے ہیں کہ دنیا کی جس تعلیم کو چاہیں ان کی رُو سے اپنالیں - ایک شاستر اگر خالص مادہ پرستی (MATERIALISM) کی تعلیم دیتا ہے جس میں خدا کا کہیں وجود ہی نہیں - تو دوسرا

شاستر ایسی روحانیت کی تعلیم پیش کرتا ہے جس میں مادہ کو مایا (یعنی سراب) کہا گیا ہے۔

اور اگر جیسا کہ اگلے دنوں مسٹر چرچل نے کہا ہے ہٹلر باب الہند تک آپہونچا۔ تو یہ قوم اپنے ماتھے پر سواستکا کا نشان لگا کر اس کے سواگت کے لئے ساحل بمبئی پر موجود ہوگی کہ آیئے مہاراج آپ بھی آرین نسل سے ہم بھی آرین نسل سے۔ اور قومی نشان دونوں کا مشترک۔ چنانچہ عوام میں ابھی سے یہ مشہور کیا جارہا ہے کہ اصل وید تو جرمنی میں ہیں۔ وہاں یہ جو نئے نئے آلات حرب تیار ہو رہے ہیں۔ ان کی ترکیب سب ویدوں سے لیجارہی ہے۔

اور اگر بیرونی حوادث میں سے کوئی حادثہ بھی نہ ہوا۔ اور صرف اندرونی خلفشار پیدا ہوگیا تو اس کے لئے وہ پوری طرح مستعد اور ہر طرح کی مکمل اور منظم تیاریاں کر رہے ہیں۔

یہ تو ہے قوم مقابل کی حالت۔ اب اس کے برعکس مسلمانوں کی حالت کو دیکھئے' ملوکیت انہیں قابلِ قبول نہیں ہوسکتی کہ ان کے نزدیک کسی انسان کو یہ حق ہی حاصل نہیں کہ دوسرے انسانوں پر حکومت کرے۔ تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے

بالشویزم کو یہ قبول نہیں کرسکتے کہ جس نظریہ زندگی کی ابتدا خدا کی نفی اور انتہا آخرت کے انکار پر ہو۔ وہ مسلمانوں کے نزدیک کیسے قابلِ قبول ہوسکتا ہے۔

نازیت ان کے ہاں مردود و ملعون ہے کہ جس آئینِ حیات میں ایک نسل دوسرے تمام انسانوں پر فائق تسلیم کی جائے۔ وہ آئین اس قرآن کریم کی رو سے کیسے واجب التسلیم ہوگا جو رنگ اور نسل کے امتیازات کو مٹا کر وحدتِ انسانیت کی تعلیم کا علمبردار ہو۔

درجۂ نوآبادیات (حتکہ آزادی کامل) بھی ان کے نزدیک ایسی ہی محکومیت ہوگی جیسی آج کی غلامی کہ جو حکومت اکثریت کی ہو اور اکثریت ہو کفار کی۔ وہ حکومت مسلمان کے نزدیک (اپنی حکومت کیسے ہوسکتی ہے۔ ہندؤں نے بڑی کشادہ ظرفی اور وسعتِ داماں کا ثبوت دیا تو کہدیا کہ قومی جمہوری حکومت میں مسٹر جناح کو وزیر اعظم بنا دیا جائے۔ لیکن مسلمانوں کو اس پیشکش سے کیا خوشی۔ مسٹر جناح کو وزیر اعظم چھوڑ گورنر جنرل بنا دیجئے۔ مسلمان کے نزدیک غلامی کی نوعیت میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ مسلمان تو اپنے آپ کو

اس وقت اور صرف اس وقت آزاد کہہ سکتا ہے جب اس کا قرآن آزاد ہو۔ اور جب اس زمین پر
حکومت اس کے خدا کی ہو نہ کہ انسانوں کی مسٹر جناح یا کوئی اور اگر انسانی حکومت قائم کرتا ہے تو اسلام
کی نگاہ میں وہ حکومت غیروں کی حکومت ہے۔ اور اگر سات سمندر پار کا انگریز اسلام قبول کرکے
قرآنی حکومت قائم کرتا ہے تو ہندی مسلمانوں کے نزدیک وہ اپنوں کی حکومت ہے۔ مسلمان مسٹر جناح
کو اپنا قائد اس لئے تسلیم کئے ہوئے ہیں کہ وہ انہیں انگریز اور ہندو دونوں کی غلامی سے نکال کر بتدریج
حکومت الہٰیہ کے قیام کی طرف گامزن ہے۔ باقی رہا اندرونی خلفشار۔ سو اس کے لئے مسلمان بس
درجہ تیار ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ دوسروں کے جور واستبداد سے حفاظت اور مدافعت کے
لئے دیکر ایک خاکساروں کی سپر کام کی چیز تھی۔ سو ان کا گلا اسلام کے سب سے بڑے "دوست"
اور ملت اسلامیہ کے سب سے بڑے "محسن" جناب سر سکندر حیات خاں صاحب کے پنجۂ آہنی نے گھونٹ
دیا۔ قوم کے امراء کی حالت یہ ہے کہ وہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ جو انقلاب بھی آئے گا۔ غریبوں پر آئے گا۔
ہم تو ہر صورت میں امیر ہی رہیں گے۔ حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جو انقلاب بھی آیا خواہ وہ ادنیٰ
سے ادنیٰ درجہ (مثلاً نوآبادیات) کا ہی کیوں نہ ہو اس کی سب سے پہلی زد انہی کے مدفون خزائن پر
پڑے گی۔ ان کی حفاظت اس میں نہیں کہ انہوں نے انفرادی طور پر چار چوکیدار اور ملازم رکھ لئے۔ اگر
وہ زندہ رہنا چاہتے ہیں تو وہ کان کھول کر سن لیں کہ اس کا ایک اور صرف ایک طریقہ ہے کہ وہ اپنے روپیہ
سے قوم کو بنیان مرصوص (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) بنادیں تاکہ وہ ہر آنے والے سیلاب میں ان کی جائز
حفاظت کر سکے۔ جاہ پرست طبقہ اسی میں خوش ہے کہ انہیں کچھ طرہ ہائے امتیاز حاصل ہیں۔ قوم جائے بھاڑ میں۔
لیکن یہ نہیں سمجھتا کہ قوم کے بھاڑ میں جانے کے بعد ان کا وجود بھی کہیں قائم نہیں رہے گا۔ یہ اگر آج
اپنے ماتھے سے قوم کا لیبل اتار دیں تو پھر دیکھیں کہ انہیں کوئی پوچھتا بھی ہے؟ کچھ ایسے لوگ کہ جن
کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہندوں کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں کہ چلو! آج روٹی ملتی ہے۔ اور کل کو
اگر ہندو برسر اقتدار آگیا تو ان کے روزینے میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ لیکن انہیں معلوم نہیں کہ
ہندو جیسی بنیا بدھی رکھنے والی قوم انہیں مفت میں روٹی نہیں دے رہی۔ وہ انہیں روٹی دیکر پوری

کی پوری مسلمان قوم کو تباہ کرنے کے منصوبے مستحکم کر رہے ہیں۔ ایں خدا نا نے رہد جانے بر۔ اور جو!
ان کا مقصد حاصل ہو گیا۔ وہ ان بھکاریوں کی جھولی میں ایک ٹکرا بھی نہیں ڈالیں گے۔ مولوی خوش ہے
کہ جب مجھے نماز روزہ کی آج بھی اجازت ہے اور ہندو بھی اس آزادی کی ضمانت دیتا ہے تو مجھے
اس کی کیا فکر ہے کہ کل کو کیا ہونے والا ہے۔ حالانکہ نہیں سمجھتا کہ محکومیت کی وہ نمازیں جن پر یہ اس قدر
اترا رہا ہے۔ وہی ہیں جن کے متعلق ارشاد ہے کہ "نماز پڑھنے والا ابھی نماز سے فارغ بھی نہیں ہو چکتا کہ اس
کی نماز لوٹا کر اس کے منہ پر مار دی جاتی ہے"

اس تشتت و افتراق۔ اس جمود و تعطل۔ اس نفسا نفسی کے زہرہ گداز عالم میں خدا کا ایک ضعیف و ناتواں بندہ خطرے کی گھنٹی بجا رہا ہے۔ لیکن بہت کم لوگ ہیں جو اس کی طرف دھیان دیتے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ کہ وہ خطرہ سے آگاہ بھی کر چکا ہے اور اس سے حفاظت کی تدبیر بھی بتا چکا۔ لیکن اس تدبیر پر عمل پیرا ہونے کے لئے کوئی آگے نہیں بڑھتا۔ نہ امراء اپنے روپے سے کچھ ایثار کرنا چاہتے ہیں۔ نہ خود غرض رفقائے کار اپنی نفسانیت کو چھوڑتے ہیں۔

کہیئے کہ جس قوم کی مشکلات وہ ہوں جو پہلے بیان کی جا چکی ہیں اور اس کی حالت یہ جو اوپر مذکور ہے۔ اس قوم کے زندہ رہنے کی بھی کوئی شکل ہو سکتی ہے؟ ہم مسلمانوں کو غیر مبہم الفاظ میں بتا دینا چاہتے ہیں کہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے۔ محض شاعری نہیں ہے۔ بلکہ ٹھوس حقیقتیں ہیں جن کا اظہار ناگزیر ہو گیا ہے۔ وقت بیحد نازک آ چکا ہے اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ فطرت کی طرف سے انہیں جو مہلت دی گئی تھی اس کا وقفہ ختم ہونے کو ہے۔ اگر ان آخری لمحات میں بھی یہ نہ سنبھلے۔ تو ان کا وہی حشر ہوگا جو (خاکم بدہن) اسپین کے مسلمانوں کا ہوا کہ زندہ مسلمان تو ایک طرف۔ وہاں ان کے اسلاف کی قبر دل تک کا نشان مٹ گیا۔ اور ان کے افسانے باقی رہ گئے۔ اگر یہ اس آنے والے عذاب سے بچنا چاہتے ہیں۔ تو اس کی صرف ایک ہی شکل ہے کہ اپنے تمام اختلافات کو چھوڑ کر۔ اپنے تمام متاع حیات کو ساتھ لیکر مسلم لیگ سے منسلک ہو جائیں اور اسے اتنا مضبوط بنا دیں کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت کرنے والا دس مرتبہ سوچے کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ واضح رہے کہ ہمیں مسلم لیگ کے نام سے کوئی خصوصیت

نہیں۔ اتفاق سے یہ جماعت مسلمانوں کی مرکزی جماعت کی حیثیت حاصل کر چکی ہے۔ اس لیے ہم اس کی تقویت میں مسلمانوں کی زندگی کا راز سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اور جماعت اسی طرح صحیح مقاصد کے ساتھ مرکزی حیثیت حاصل کر لیتی تو ہم اس سے تمسک و انسلاک کی تائید کرتے۔ ہاں! تو آج مسلمانوں کی زندگی کی یہی ایک صورت باقی ہے کہ مسلم لیگ کو ایک مستحکم جماعت بنا کر اس کے نصب العین کے حصول میں مستانہ وار آگے بڑھتے جائیں ہمیں موجودہ مسلم لیگ کی کوتاہیوں اور خامیوں کا اعتراف ہے لیکن یہ خامیاں اس لئے ہیں کہ آپ اس سے الگ ہیں۔ آپ فوج در فوج اس میں شامل ہوجیئے۔ اور اس کے بعد اس کی خامیوں کو دور کر کے اسے صحیح جاندار جماعت بنا دیجئے۔ اس کا نصب العین اسلامی ہے۔ اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ اور اس نصب العین کے حصول میں مسلمان کی زندگی کا راز مضمر ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ "ہمیں اس سے غرض نہیں کہ ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ یا دس حصوں میں۔ ہمارے نزدیک تو اگر ایک چپہ زمین پر بھی خدا کی حکومت قائم ہو جائے تو وہ قطعۂ خاک تمام روئے زمین سے زیادہ گراں بہا ہے" اس میں کیا شبہ ہے کہ وہ خطۂ پاک جس میں اللہ کی حکومت کا قیام ہو۔ پوری کائنات سے افضل ہے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ عملی حیثیت سے یہ خطۂ زمین پیدا کیسے ہو؟

کچھ ہوش میں آنے کی میرے شکل بھی ناصح!
یہ میں بھی سمجھتا ہوں مجھے ہوش نہیں ہے!

آج ہندوستان کے مسلمان کے سامنے تین مراحل درپیش ہیں۔ سب سے اول انگریز کے غلامی کا جوا۔ دوم ہندو اکثریت کی مزعومہ حکومت (جیسے وہ جمہوری یا قومی حکومت کہتے ہیں) کا عفریت باطل ان دونوں سے نجات حاصل ہو جانے کے بعد مسلمانوں کی حکومت۔ اور جب یہ حاصل ہو جائے تو پھر اس خطہ میں حکومتِ الہیّہ کا قیام۔ تقسیم ملک کی پہلی کڑی (تحریک پاکستان) اس آخری کڑی کے حصول کی ابتدا ہے۔ اس لئے جس حقیقی مسلمانوں کے دل میں اس آخری کڑی کے حصول کی تمنا موجزن ہے وہ اس مسئلہ سے بے تعلق نہیں رہ سکتا کہ ملک دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے یا ایک ہی رہتا ہے۔ جب تک مسلمان اکثریت کے علاقوں میں آپ مسلمانوں کی حکومت قائم نہیں کر لیتے اس وقت تک حکومتِ الہیّہ

کے قیام کی مقدس آرزوئیں حسین خواب سے زیادہ معنی نہیں رکھتیں۔

بآدمے نرسیدی خدا چہ می جوئی؟

اس لئے آج قوم کی صحیح خدمت یہ ہے کہ اپنی خیالی جنت کو چھوڑ کر عملی دنیا میں قدم رکھا جائے اور جس سے جو بن پڑے اس مقصد کے حصول میں کر گذرے۔ کہ

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

(۳)

اس حقیقت سے کس کو انکار ہوگا کہ مسلمانوں کے عوام میں آج بھی ایثار اور قربانی کا مادہ کم نہیں اس برسے ہوئے بادل میں آج بھی وہ بجلیاں مستور ہیں جو اپنی ایک ہی چمک سے کفر و باطل کے بڑے بڑے خرمنوں کو خاکستر میں تبدیل کر سکتی ہیں۔ اس راکھ کے ڈھیر میں ابھی تک وہ چنگاریاں دبی ہوئی ہیں جو اپنی ایک ہی چمک سے ہجومِ مخالف کے خس و خاشاک کو شعلہ بداماں کر سکتی ہیں۔ جس قوم کی یہ حالت ہو کہ وہ اپنا گھر بار۔ جائداد۔ بیوی بچے سب کچھ چھوڑ کر۔ دیوانہ وار ہندوستان چھوڑ کر کسی غیر متعینہ مقام کی طرف ہجرت کر جائیں اور کسی سے اتنا بھی نہ پوچھیں کہ مہاجرین کے اس قافلہ کا بالآخر مستقر کونسا ہوگا۔ جس قوم کی جانفروشیوں کا یہ عالم ہو کہ اس کے نوجوان ایک ٹوٹی پھوٹی مسجد کی خاطر سینے میں گولیاں کھا کھا کر شہید ہوتے چلے جائیں[1]۔ اس قوم کے ایثار و خلوص میں کیسے شبہ ہو سکتا ہے۔ جان دینے سے بڑھ کر ایثار و اخلاص کا کوئی اور ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مسلمانوں کے عوام سے کوئی شکایت نہیں ہو سکتی۔ مصیبت ہے تو یہ کہ اس قوم کا ذہنی طبقہ بالعموم ان خصوصیات سے عاری ہے جو قوم کی رہنمائی کے لئے ضروری ہیں اس لئے عوام کی قربانیاں بھی نتیجہ خیز نہیں ہوتیں۔ ہمارے راہ نماؤں کی بے حسی

---

[1] ہم نے اس مقام پر مسلمانوں کی سب سے زیادہ پر خلوص اور جاں نثار جماعتِ خاکساراں کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ ان کے عوام اور خواص دونوں نشۂ قربانی سے یکساں سرمست اور آغشتۂ خاک و خون ہونے کے لئے مساوی حیثیت سے بیتاب ہیں۔

اور عدم اعتنائی کی کیا کیفیت ہے - اس کے متعلق کسی تشریح و تفصیل کی ضرورت نہیں - ہر شخص اس سے باخبر اور واقف ہے - ہم اپنے تجربہ کی بنا پر اگر چاہیں تو سینکڑوں چیزیں پیش کر سکتے ہیں جن سے معلوم ہو کہ عوام میں کس درجہ تڑپ و اضطراب ہے اور ان خواص میں کس حد تک جمود و تعطل ہم نے عمداً کبھی ان تلخ تجارب کا تذکرہ نہیں کیا کہ اس مستقل مرثیہ خوانی سے کیا حاصل - لیکن جب بات چھڑ گئی - تو ایک تازہ واقعہ کا ذکر کئے دیتے ہیں - پچھلے دنوں سیاستِ حاضرہ کا ایک نہایت اہم مسئلہ فضا میں منتشر تھا چاروں طرف سے اس پر بحث و تمحیص ہو رہی تھی - لیگ کے مخالفین کی طرف سے اس پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہو رہی تھی - ہم نے اس خلفشار کو محسوس کیا اور ان تمام اعتراضات کو سامنے رکھکر حسب معمول - کتاب و سنت کی روشنی میں ایک جامع مضمون لکھا اور اس میں ایسے دلائل جمع کئے جن سے اسکات خصم بھی ہو اور تسکین دوست بھی - اس مضمون کی کاپیاں "طبقۂ خواص" کے تمام مقتدر حضرات کے پاس بھیجیں اور الگ خطوط لکھے جن میں درخواست کی گئی تھی کہ اس مضمون کے مطالعہ کے بعد اتنا ارشاد فرما دیجئے کہ کیا یہ اس مقصد کو کما حقہ پورا کر دے گا جس کے لئے یہ لکھا گیا ہے - آپ یہ سنکر متعجب ہوں گے کہ ان حضرات میں سے ایک کے سوا کسی کو اتنی توفیق بھی نہ ہوئی کہ رسید تک بھیجدیتا اگرچہ ہم نے دیکھا کہ اس کے بعد اکثر حضرات نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں اسی مضمون سے استفادہ کیا - یہ مستثنیٰ ذات مسٹر جناح کی تھی - انہوں نے تمام مضمون کو پڑھا (یا پڑھوا کر سنا) ادارۂ طلوع اسلام کو تبریک و تحسین کا تفصیلی خط لکھا اور مضمون کے نکات سے متعلق اپنی رائے سے مستفیض فرمایا - اور مضمون کا انگریزی ترجمہ شائع کرنے کی خواہش ظاہر فرمائی - حالانکہ ان کی مصروفیتیں اس درجہ گوناگوں ہیں کہ ان کے پیش نظر اس امر کی توقع بھی محال تھی - بات چھوٹی سی تھی - لیکن انہی چھوٹے چھوٹے واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے "طبقۂ خواص" کی کیا حالت ہے - اس کے مقابل میں عوام کی حالت کو دیکھئے بمبئی کی کسی مل میں ایک مزدور ہے - معمولی لکھا پڑھا لیکن ذوق و تڑپ کا یہ عالم کہ ٹوٹی پھوٹی زبان میں جب اس کا خط آتا ہے تو ہو نہیں سکتا کہ آپ اسے پڑھیں اور آپ کا دل آنسو بن کر آنکھوں کے راستے نہ ٹپک پڑے - عمل کی یہ کیفیت کہ دن بھر

کی مزدوری کے بعد شام کو تھوڑا سا وقت ملتا ہے تو طلوع اسلام کے شائع کردہ پمفلٹ بغل میں دبا کر تمام بمبئی اور مضافات کا چکر لگاتا ہے انہیں فروخت کرتا ہے اور ایک پائی معاوضہ لئے بغیر ان کی قیمت دفتر میں بھیج دیتا ہے حتیٰ کہ ٹرام سے یا گاڑی کا کرایہ بھی وضع نہیں کرتا اور یہ کام ایک دو دن کیلئے نہیں مسلسل مہینوں سے جاری ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ طلوع اسلام کا خریدار ہے لیکن پچھلے دنوں اس کا خط موصول ہوا۔ جس میں لکھا تھا کہ میں طلوع اسلام کا پرچہ ایک صاحب کے ہاں جاکر پڑھ لیا کرتا تھا۔ اگرچہ ان کا مکان بہت دور تھا۔ لیکن پرچہ تو دیکھنے کو مل جاتا' اب وہ صاحب بمبئی سے تبدیل ہو گئے اس لئے پرچہ دیکھنے کو نہیں ملتا اتنی وسعت نہیں کہ اس کا چندہ ادا کرسکوں۔ اس لئے اگر ایسا ہو جائے کہ پچھلے مہینہ کا پرچہ بھیج دیا جایا کرے تو وہ اسے پڑھ کر واپس بھیج دیا کروں گا۔

آپ اندازہ فرمایئے کہ اس خط کا ہم پر کیا اثر ہوا۔ ایک شخص مہینوں سے مفت کام کر رہا ہے۔ کوئی معاوضہ نہیں لیتا۔ لیکن اتنا بھی گوارا نہیں کرتا کہ اپنے لئے ایک پرچہ مفت منگا لیا کرے۔ خود تکلیف برداشت کر لیتا ہے اور دوسری جگہ جاکر پرچہ پڑھتا ہے۔ جب وہ شکل بھی باقی نہیں رہتی۔ تو اس پر بھی تازہ پرچہ طلب نہیں کرتا۔ پرانا پرچہ مانگتا ہے اور پڑھ کر واپس کر دینے کے وعدہ پر۔ جواب میں بے اختیار چند کلمات تعریف کے نکل گئے تو اس کے جواب میں اس "مزدور" نے وہ بات کہدی جس سے ہماری نگاہیں زمین میں گڑ گئیں۔ افسوس کہ اس کا بے لوث جذبۂ خدمت نہ نام ظاہر کرنے کی اجازت دیتا ہے نہ پیام۔ لیکن آپ اندازہ فرماسکتے ہیں کہ اس "گمنام مزدور" کے سینہ میں کتنا گراں بہا قلب مستور ہے۔ اے بمبئی کی مل کے گمنام مزدور! ملت اسلامیہ کا قصر مشید تیرے ہی جیسے مزدوروں کے ہاتھوں سے استوار ہوگا! جو نعمت تیرے پاس ہے وہ کسی قیمت پر خریدی نہیں جاسکتی۔

ہم نے یہ واقعات یونہی تمثیلاً لکھدئے ہیں اور وہ بھی کافی تامل کے بعد کہ چونکہ یہ واقعات ایک گونہ ہماری ذات سے متعلق ہیں اس لئے کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہم شکایت اس لئے

کر رہے ہیں کہ ہماری درخواست کو درخور التفات نہ سمجھا گیا - اور تعریف اس لئے کر رہے ہیں کہ وہ "مزدور" ہمارا کام بلا معاوضہ کر رہا ہے - نہ شکایت ذاتی ہے - نہ تعریف کسی ذاتی کام کے لئے دونوں چیزیں لوجہ اللہ ہیں، جو کچھ ان بزرگوں کو لکھا گیا تھا اس میں بھی ہماری ذات کا کوئی شائبہ نہ تھا - اور جو کچھ یہ غریب مزدور کر رہا ہے اس میں بھی ہماری ذات کا کوئی فائدہ مضمر نہیں - یہ بھی ملت کا کام ہے وہ بھی ملت کا مفاد تھا! .... طبقہ خواص کی ان خامیوں کا علاج یہ ہے کہ ہم درسگاہوں میں اپنا پیغام پہونچائیں اور کل کو ہونے والی قوم - یعنی نوجوانانِ ملت کی تربیت صحیح اسلامی خطوط پر کریں - لیکن یہ بھی اس وقت ممکن ہے جب آپ کی مرکزی جماعت ایک جیتی جاگتی قوت و شوکت کی حامل جماعت بن جائے اور بعونہٖ تعالیٰ - یہ سب آپ کے اختیار میں ہے - ہم پھر ایک مرتبہ اس حقیقت کو واضح الفاظ میں دہرا دینا چاہتے ہیں کہ وقت بہت نازک آ چکا ہے - اب زیادہ دیر تک آپ کو مہلت نہیں ملیگی - فطرت کا تقاضا ہے کہ آپ بہت جلد فیصلہ کر لیجئے، کہ آپ کو من حیث القوم زندہ رہنا ہے یا نہیں - اگر زندہ رہنا ہے تو اٹھئے اور اپنی تمام قوتوں کو ایک مرکز پر مجتمع کر دیجئے ورنہ یاد رکھئے اگر یہ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو

تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

نوجوانوں کی تربیت کے متعلق یونہی ضمناً ذکر آ گیا ورنہ یہ مسئلہ اس قدر اہم ہے کہ اس پر مسلسل اور تفصیلاً لکھنے کی ضرورت ہے - یہ مسئلہ ہمارے زیر نظر ہے اور انشاء اللہ اولیں فرصت میں اس کے متعلق کچھ عرض کیا جائے گا - لیکن اس چیز پر ایک مرتبہ پھر غور کیجئے کہ ہم اپنی درسگاہوں کی اصلاح اور نوجوانانِ ملت کی صحیح تربیت کے متعلق جتنی تجاویز جی چاہے پیش کریں - انہیں نافذ العمل کرنے کے لئے آپ کے پاس کونسی قوت ہے ؟ جب تک قوت موجود نہیں ہوتی - ملت کے کسی شعبہ میں اصلاح نہیں ہو سکتی -

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

۴- گذشتہ سطور میں ہم نے مسٹر راجہ گوپال اچاریہ کی جدید پیش کش کا یونہی ضمناً ذکر کیا ہے۔ اس لیئے کہ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ کچھ زیادہ اہمیت نہ رکھتا تھا۔ لیکن ان دو تین دنوں میں دیکھا گیا کہ ہندو پریس نے اسے حسب معمول بہت زیادہ اہمیت دیدی ہے اور ہر جگہ اس پیش کش کا یوں ذکر ہو رہا ہے گویا ہندوؤں نے مسئلہ اقلیت (MINORITY PROBLEM) ...... کا ایک آخری حل تلاش کر لیا ہے اور وہ بھی ایک عظیم الشان قربانی کو لئے ہوئے۔ اس پر بھی ہم اس مسئلے کو زیادہ درخور اعتنا نہ سمجھتے لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ بعض سطح بین مسلمان بھی اس سحر سامری سے متاثر ہو رہے ہیں اور یوں محسوس کر رہے ہیں کہ اگر اب بھی مسلم لیگ رضامند نہ ہوئی تو فی الواقعہ یہ مجرم قرار پا جائے گی۔ اس لیئے ہم نے ضروری سمجھا کہ اس موضوع پر کچھ زیادہ روشنی ڈالی جائے۔ چونکہ یہ سطور اس وقت لکھی جا رہی ہیں جبکہ کاپی پریس کو جا رہی ہے۔ اس لیئے ہم زیادہ تفصیل سے گفتگو نہ کر سکیں گے۔ اظہار خیالات بقدر وسعت داماں ہی ہو سکے گا۔

مسٹر راجگوپال اچاریہ نے کہا ہے کہ اگر مسلم لیگ ملک میں قومی حکومت کے قیام پر رضامند ہو جائے تو میں اپنے رفقاء کار کو اس بات پر راضی کر لوں گا کہ اس قومی حکومت کا وزیر اعظم مسلم لیگ پارٹی منتخب کرے اور وہ وزیر اعظم کابینہ کی تشکیل کرے۔ بات بظاہر کس قدر معقول نظر آتی ہے لیکن جن لوگوں کی نگاہیں رفتار زمانہ پر اور انگلیاں ہندی سیاست کی نبض پر ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اس سادگی میں کتنی گہری پرکاری اور اس تجویز میں کس قدر دوررس ہوشیاری پوشیدہ ہے۔ یہ درحقیقت اسی سلسلۂ سوءات کی ایک سنہری کڑی ہے جس سے بیرونی دنیا کو آج تک یہ کہکر مبتلائے فریب رکھا جاتا رہا ہے کہ مسلم لیگ محض چند وزارتوں اور نشستوں کے لیئے لڑ رہی ہے۔ اصولاً ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ اب ذرا اس پرانے شکاریوں کے نئے جال کے مختلف حلقوں کا تجزیہ کیجیئے اور دیکھیئے کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں۔ صحیح ہے یا نہیں۔

فرماتے ہیں کہ اگر مسلم لیگ ملک میں قومی حکومت کے قیام پر رضامند ہو جائے تو . . . "
مسلم لیگ اور کانگریس۔ یا بالفاظ واضح مسلمانوں اور ہندوؤں کا بنیادی اور اصولی مابہ النزاع مسئلہ یہ ہے کہ ہندو۔ ہندوستان میں "ایک قوم" کا مدعی ہے اور مسلمانوں کا دعویٰ یہ ہے کہ ہندو الگ قوم ہے اور مسلمان ایک جداگانہ قوم اور دونوں ملکر ایک قوم نہیں بن سکتے۔ اب اگر مسلم لیگ اس امر پر راضی ہو جائے کہ ملک میں ایک قومی حکومت قائم کیجائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس نے اس امر کا عملاً اقرار کر لیا کہ ملک میں ایک قوم ہے۔ دو الگ الگ قومیں نہیں ہیں۔ اور وہ آج تک جداگانہ قومیت کے جس بنیادی دعوے پر اپنے مستقبل کی عمارت استوار کرنا چاہتے ہیں وہ دعویٰ یونہی ڈھونگ ہی تھا۔

اس سے آگے بڑھیئے۔ فرمایا ہے کہ اگر مسلم لیگ اس پر راضی ہو جائے کہ ملک میں قومی حکومت قائم کر لیجائے تو" . . . . . .

مسلم لیگ کا دوسرا بنیادی دعوٰی یہ ہے کہ ہندوستان ایک ملک نہیں ہے بلکہ مختلف ممالک کا مجموعہ ہے اور جس طرح یورپ میں چھوٹے چھوٹے ممالک کی جداگانہ حکومتیں قائم ہیں اسی طرح کل ہندوستان میں ایک حکومت نہیں ہونی چاہیئے۔ بلکہ مختلف علاقوں کی الگ الگ حکومتیں قائم ہونی چاہئیں۔ اور ان حکومتوں کو اختیار حاصل ہونا چاہیئے کہ وہ چاہیں تو ملک کی کسی دوسری حکومت سے وفاق پیدا کر لیں۔ اس کلیہ کی بنا پر مسلم لیگ نے ہندوستان کے شمال مغربی حصے میں جداگانہ حکومت اور شمال مشرقی گوشہ میں الگ حکومت کا اصول اختیار کیا ہے اور باقی حصۂ ملک کی ہندو اکثریت کو اختیار دیدیا ہے کہ وہ اپنے یہاں جس قسم کا نظام حکومت چاہیں نافذ کریں۔ اب اگر جناب راجہ گوپال اچاریہ صاحب کے گراں قدر "ہدیۂ اخلاص" کے پیش نظر مسلم لیگ اس اصول کو تسلیم کرے کہ تمام ملک میں ایک ہی مرکزی حکومت ہو گی۔ تو اس سے اس نے اپنے دوسرے بنیادی دعوے کی بھی خود ہی تغلیط کر دی۔

اور آگے بڑھیئے۔ مسلم لیگ غیر مبہم الفاظ میں واضح کر چکی ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک

جمہوریت کا وہ نظام حکومت قطعاً قابلِ قبول نہیں جس میں مغربی نظریۂ جمہوریت کے مطابق آدمی گنے جاتے ہیں تولے نہیں جاتے" اس لیئے کہ جمہوری نظام میں معاملات کے فیصلے اکثریت کی آراء کے مطابق سطے پاتے ہیں اور اکثریت یہاں مستقلاً غیر مسلموں کی ہے۔ غیر مسلموں کی اکثریت کے فیصلے مسلمانوں کے لیئے کبھی قابل قبول نہیں ہو سکتے۔ اب اگر مسلم لیگ جناب اچاریہ صاحب کی دریادلی کی لہر میں بہ جاتی ہے تو اس کے ساتھ ہی وہ اس دیو استبداد کو بھی اپنے اوپر مسلط کر لیتی ہے جو جمہوری قبا میں رقص کر رہا ہے لیکن جسے ہندو ارباب سیاست آزادی کی جل پری بنا کر سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

اس کے بعد یہ دیکھیئے کہ مسلمان اگر اپنے ان بنیادی اور اہتم بالشان اصولوں کو چھوڑ دیں کہ جن پر ان کی مستقبل کی زندگی کا دار و مدار ہے تو اس کے معاوضہ میں انھیں ملے گا کیا؟ جواب واضح ہے کہ وزارت عظمیٰ اور کابینہ تشکیل کرنے کے وسیع اختیارات

اب اور چاہتے کیا ہو؟ ہیری مل جائے!

لیکن ان چھوٹے نگوں کی تابناکی اور درخشندگی سے نگاہوں کو خیرہ کر لینے والے حضرات ذرا انھیں حقائق کی محک پر کس کر تو دیکھیں کہ ان کی اصلیت کیا نکلتی ہے؟ آسام میں وزیر اعظم مسلمان تھا۔ لیکن ترازو کا ذرا سا پلڑا جھکنے سے کیا ہوا؟ سندھ میں بھی ایک ننگ ملت مسلمان وزیر اعظم تھا۔ چار ہاتھ دوسری طرف اٹھ گئے اور سرکار بھٹے کی طرح اڑ گئے۔ نہ بارگاہ دارڈھا کے سنگ آستاں کے سجود نیاز کسی کام آئے نہ جناب پٹیل کے حریم ناز کی غلام گردشیں انھیں پناہ دے سکیں۔ پنجاب میں وزارت عظمیٰ اور "مسلمانوں کی حکومت" کی جو حالت ہے اس کے تو ذکر سے شرم آنے لگتی ہے۔ بچپن میں بڑی بوڑھیوں سے کہانی سنا کرتے تھے کہ ایک جن تھا جس کی جان طوطے میں تھی۔ یہی حالت پنجاب کی مسلم حکومت کے جن کی ہے جس کی جان دو چار سکھوں اور ہندوؤں کے شکن ہائے جبیں میں مستور ہے۔ اور اس کے معاوضہ میں انھوں نے پوری کی پوری قوم اور ان کے مقدرات کے ستارے اُن کے حوالے کر رکھے ہیں۔

بخالِ ہندواش بخشم سمرقند و بخارا را

اسی قسم کا وہ فلمدانِ وزارت ہے جسے جناب اچاریہ صاحب۔ گاندھی جی کی آشیرباد کے ساتھ جناب جناح کے سامنے پیش کر کے ملّت اسلامیہ ہندیہ کی ہفت پشت و ہفتاد نسل پر احسان عظیم فرما رہے ہیں۔ آج انھیں وزیر اعظم منتخب کیجئے اور کل ہی اسمبلی کی اکثریت سے عدم اعتماد کا ریزولیشن پاس کرا دیجئے۔

کھیر کہائی جتن سے چرخہ دیا جلا
آیا کتا کھا گیا تو بیٹھی ڈھول بجا

تمام اصول۔ وزارت کی خاطر چھوڑے۔ اور وزارت یوں "نذر برہمن" ہو گئی

لیکن تھوڑی دیر کے لیئے یہ بھی تسلیم کر لیجئے کہ ایسی صورت پیدا نہیں ہو گی اور ہندو اس امر کی ضمانت دیدیں گے کہ وہ اس وزارت کے خلاف کوئی ایسا اقدام نہیں کریں گے تو کیا مسلمانوں کی حمیّت اس شکل کو گوارا کرے گی اور کیا یہ ایسی ہی متاعِ گراں بہا ہو گی جس کے معاوضہ میں وہ اُس نصب العین سے دست کش ہو جائیں گے جس نے ان کی شب تیرہ و تار میں انوار خداوندی کی ذرا سی جھلک پیدا کی ہے۔ صدیوں کی بے راہ روی کے بعد خدا خدا کر کے مسلمانوں کو پھر سے اپنا بھولا ہوا سبق یاد آیا ہے کہ ان کا فریضۂ حیات حکومتِ الٰہیّہ کا قیام ہے اور اس بلند ترین نصب العین کے حصول کی اولین کڑی تشکیل پاکستان ہے۔ لیکن طاغوتی قوتیں چاروں طرف سے ہجوم کر کے اُمنڈ آئی ہیں کہ انھیں اس صراطِ مستقیم سے بہکا دیا جائے کہیں ترغیب ہے کہیں تخویف۔ کہیں خانہ جنگی کے عفریتی ڈراوے ہیں، کہیں اس قسم کے نظر فریب چھلاوے۔

غرضیکہ ضعیف و ناتواں مسلمان ہے اور اُس کے خلاف ہر قسم کے ابلیسانہ حربے کار فرما۔ زیر نظر پیش کش بھی ویسا ہی "دانہ گندم" ہے جس کے اندر آدم کو حیات جاوید کی پر فریب جھلک دکھائی گئی تھی لیکن جس کا لازمی نتیجہ اس کے قیام بلند سے ہبوط تھا۔ مسلمانو!

دیکھنا کہیں اس دامِ فریب کا شکار نہ ہو جانا۔ پھر اگر اللہ تمہیں فرصت کے چند لمحات عطا کر دے تو سوچو۔ تو سہی کہ یہ بھیک کے ٹکڑے تمہیں مل کہاں سے رہے ہیں اُس قوم کی طرف سے جسے دنیا میں رہنے سہنے کے ڈھنگ تم نے سکھائے ذرا اس مقامِ بلند کی طرف تو نگاہ اُٹھا کر دیکھو جہاں سے تم گرے ہو۔ تم تو اُس خدا کے پرستار ہونے کے مدعی ہو جو حکومتوں اور سلطنتوں کا عطا کرنے والا اور چھیننے والا ہے۔ کیا تم آج اُس سے حکومت و سطوت مانگنے کے بجائے ان انسانوں کی عطا کردہ وزارتیں قبول کر و گے جن کی گردنوں میں خود غیروں کی غلامی کے طوق پڑے ہوئے ہیں! تم تو اُس شہ لولاکؐ کے دستِ کرم کے پروردہ شاہین ہو جس نے تمہارے بازوؤں میں وہ قوت عطا کر دی جس سے تمہاری بلندیٔ پرواز کی داستانیں زبان زدِ خلائق ہو گئیں۔ کیا تم آج ان ممولوں سے بال و پر مستعار مانگ رہے ہو جو خود اپنا رزق خاک کے ذرّوں میں تلاش کر رہے ہیں؟ تم تو اُن اسلاف کے نام لیوا ہو جنھوں نے ایک ہی وقت میں دائیں ہاتھ سے قیصر اور بائیں ہاتھ سے کسریٰ کے تاجِ نخوت و تکبر کو جھپٹ کر پاؤں تلے روند ڈالا تھا۔ کیا تم آج اُن کی قوت بازو کے محتاج ہو گئے ہو جو اس وقت تک بھی اپنی حفاظت کے لئے دوسروں کی سنگینوں کے محتاج ہیں۔ ساری دنیا کو حمیتِ ملّی اور غیرتِ قومی کے سبق سکھانے والو کیا تم آج خود ہی اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھے ہو کہ

حذر سے نہ وہ جس کو اپنے لہو سے ۔۔۔ مسلماں کو ہے عار وہ بادشاہی

خدا کرے کہ مسٹر راجہ گوپال اچاریہ کی یہ پیش کش ہی تمہارے لئے تازیانۂ عبرت ہو جائے اسی سے تمہارے خونِ منجمد میں حرارت و تموّج پیدا ہو جائے۔ اس سے تمہاری غیرت کے وہ خفتہ احساس بیدار ہو جائیں جن سے تم دنیا کو بتا سکو کہ مسلمان انسانوں کی بخشیدہ وزارت نہیں بلکہ اپنے خدا کی عطا فرمودہ حکومت کے لئے پیدا ہوا ہے۔

آہ اے مردِ مسلماں! تجھے کیا یاد نہیں

حرفِ لا تدع مع اللہ الٰھاً اٰخر

ایک طرف تو مسلمان اس قسم کے بیرونی خطرات سے دو چار ہیں اور دوسری طرف اُن کے اپنے اندر ایسے ایسے عجیب الخلقت سروں کی جماعت ہے جو ہر وقت یہی الاپے جاتے ہیں کہ اگر لیگ نے اُن کی خواہشات کے مطابق فیصلے نہ کیئے تو لیگ میں تشتت و افتراق پیدا ہو جائے گا۔ یہ وہ لیڈر ہیں جن کے متعلق ایک عرصہ ہوا کہا گیا تھا کہ

قوم کے غم میں ڈنر کھاتے ہیں حکام کے ساتھ
رنج لیڈر کو بہت ہے مگر آرام کے ساتھ

وائسرائے صاحب نے اپنے بیان میں کہدیا کہ اگر ملک کی سیاسی جماعتیں رضا مند ہو جائیں تو وہ اپنی ایگزیکٹو کونسل کے ارکان کی تعداد میں اضافہ کر دیں گے۔ اب ان سر صاحبان کے منہ میں پانی بھر آیا۔ مدت سے بیکار بیٹھے تھے۔ کئی اسامیاں خالی ہوئیں۔ اور پر بھی کی گئیں۔ لیکن ان بیچاروں کی جھولی خالی کی خالی رہ گئی۔ انھوں نے سوچا کہ اب جو وسیع پیمانہ پر خیرات بٹے گی تو ان کے کشکول میں بھی کچھ نہ کچھ آ ہی گریگا۔ اُمیدیں بہت تھیں لیکن کیا کیا جائے اس جناح کو کہ یہ ابھی تک منہ موڑے بیٹھا ہے۔ بالآخر نہ رہا گیا تو جھنجھلا کر بول اُٹھے کہ "جہاں تک مسلمانوں کے مطالبات کا تعلق ہے۔ ہمارے خیال میں حکومت برطانیہ نے اپنی نیک نیتی کا کافی ثبوت دیدیا ہے۔ اس لیئے لیگ کو اب فوراً تعاون کر لینا چاہیئے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو لیگ میں افتراق پیدا ہو جائے گا" جس کی ساری ذمہ داری لیگ کی مجلس عاملہ اور اس کے صدر کے سر عائد ہو گی۔"

اللہ اکبر! لیگ کی مجلس عاملہ اور اس کے صدر سے بھی زیادہ لیگ کے ہمدرد! کون؟ سر عبدالحلیم غزنوی اینڈ کو۔

گو واں نہیں۔ پہ واں سے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

لیکن الحمد للہ! کہ مسلمان جہاں اب بیرونی خطرات سے آگاہ ہو چکا ہے وہاں اپنے

ان اندرونی ہمدردان ملت کو بھی خوب پہچانتا ہے اور انھیں دور سے دیکھکر ہی پکار اُٹھتا ہے کہ

اپنے جوتوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار
اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

ایک معذرت

ہمیں افسوس ہے کہ عدم گنجائش کی وجہ سے شہزادہ سید حلیم پاشا مرحوم کے "مضمون" حکومت الٰہیہ" کی دوسری قسط اس مرتبہ شائع نہیں ہوسکی۔ کاپی لکھی رکھی ہے۔ لیکن چونکہ مضمون بیحد اہم ہے اس لیئے اسے زیادہ ٹکڑوں میں تقسیم کرنا مناسب نہ سمجھا گیا۔ انشاءاللہ آئندہ اشاعت میں پورے کا پورا شائع ہو جائے گا۔

اور ایک درخواست

ڈاک کے اخراجات اس قدر زیادہ ہو گئے ہیں کہ آپ کا تعاون ضروری ہوگیا ہے اگر آپ جواب طلب امور کے لیئے ٹکٹ بھیجدیا کریں تو آپ کے صرف چار پیسے صرف ہوں گے اور ہمیں ایک کثیر رقم کی کفایت ہو جائیگی۔

عشق و عبادت

اطاعت

عبادت بہر زاہد رسم و عادت
بجوید صوفی اندر سجدہ لذّت

من بیچارہ ام زاہد نہ صوفی
نمازم باشد از روئے اطاعت

نماز و روزہ

نماز و روزہ فرض محکمے ہست
ازیں ہر منکرے نامحرمے ہست

ولے اے دوست تکمیلِ عبادت
زِ تسلیم و نیاز ہر دمے ہست

عبادت

ادا کردی نماز پنجگانه
بہ اخلاص و نیاز عاشقانه
ولے بیگانه گشتی از عبادت
چو سر برداشتی زاں آستانه

عشق و مستی

ز دانش وام کردی چیرہ دستی
زکف دادی جلالِ عشق و مستی
ہزار افسوس بر ایں دستگاہت
کہ بازو را بہ دستِ خود شکستی

ہنگامۂ عشق

تو گوئی رقصِ عاشق از جنون است؟
دل اغیار زیں ہنگامہ خوں است
بریں کارش مجو فتویٰ ز مُلّا
ببیں کاندر نگاہِ کفر چوں است

اسعد ملتانی

حقائق و عبر

شرمناک مظالم اور مجرمانہ سکوت

چاندور لسوا (سی۔ پی) کے حادثۂ ہائلہ کے متعلق کسی گزشتہ اشاعت میں لکھا جا چکا ہے کہ کانگرسی حکومت نے کس طرح بے گناہ مسلمانوں کو اپنی ہوسِ ستم رانی اور جذباتِ خون آشامی کا نشانہ بنایا اور بالآخر ہائی کورٹ نے کس طرح ان کی بریت ثابت کر کے انھیں رہا کیا۔ اس ننگ انسانیت مقدمہ کی مزید تفصیلات شائع ہوئی ہیں جن سے اس "رام راج" کی سبعیت اور درندگی اُبھر کر سطح پر آ گئی ہے۔ جب ہم ان تفصیلات پر غور کرتے ہیں تو ہماری روح کانپ اُٹھتی ہے کہ اس بیسویں صدی میں یہ وحشیانہ مظالم! سشن جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے:-

"تمام مسلمانوں کی ذلت کے ساتھ شہر کی سڑکوں پر تشہیر کی گئی اور پھر اسکول کے کمرے میں ۴۵ مسلمان بند کر دئے گئے۔ یہ کمرہ ۳۰ فٹ لمبا اور ۲۰ فٹ چوڑا تھا جس میں یہ مسلمان رات بھر مقفل رکھے گئے۔ ان لوگوں کی تشہیر کے لئے جب سڑکوں پر اُن کو گھمایا گیا تو وہ دوپہر کا وقت تھا اور چونکہ یہ سخت ترین گرمی کا زمانہ تھا۔ اس لئے اُس وقت گرمی یقیناً بہت زیادہ ہوگی۔ جو مجسٹریٹ اس تشہیر کے وقت ساتھ تھا اور جس کی نگرانی میں یہ تشہیر ہو رہی تھی اُس نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اُس وقت اتنی شدید گرمی تھی کہ اس تشہیر میں کچھ لوگوں کو استفراغ ہوئے جس کی وجہ سے انھیں ان کے گھر بھیجنا پڑا۔ ..... ان لوگوں کے کھانے کا جو انتظام کیا گیا تھا اُس کی نسبت اگر ہلکے سے ہلکا کوئی لفظ لکھا جا سکتا ہے تو کہنا پڑے گا کہ وہ بس یوں ہی سا تھا۔ چاول کی کھیلوں کے دو ایک تھیلے ان کے

کھانے کیلئے ہاشم کی دکان سے لے لئے گئے تھے۔ جو لوگ اپنے گھر سے کھانا منگوا سکتے تھے اُنھیں اس کی اجازت تھی۔ جو نہ منگوا سکتے تھے اُنھیں کھیلوں پر گزر کرنا تھا۔ وہ رات بھر بھوکے ہی پڑے رہے ۱۴۵ آدمیوں کا ۳۰ فٹ لمبے اور ۲۰ فٹ چوڑے کمرے میں رات بھر مقفل رہنا اُن کے لئے بڑی ہی مصیبت کی چیز ہوگی حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو ذلت کے ساتھ برسرعام کھڑا کرکے اُن کی جانچ کرنے سے لے کر ۱۴۵ آدمیوں کو جیل بھیجنے کے وقت تک پولیس کا جو عمل رہا ہے اُسے دیکھ کر آج کل کے نازی جرمنی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے اور قطعاً تصور نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سب کچھ برطانوی حکومت کے کسی ترقی یافتہ ملک میں ہو سکتا ہے۔"

ناگپور ہائی کورٹ نے اس فیصلہ کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"پولیس کا رویہ اس مقدمہ کے دوران میں اول سے لے کر آخر تک بہت غیر معمولی رہا ہے اور کم از کم دو معاملوں میں تو یہ رویہ حد سے زیادہ ظالمانہ، وحشیانہ، شرمناک، فحش اور گندا تھا۔" (مدینہ مورخہ ۲۵ جولائی ۱۹۳۸ء)

یہ سب کچھ اس زمانہ میں ہوا جب تحفظ حقوق مسلمانان کے سب سے بڑے مدعی۔ سرخیل علمائے عظام "امام الہند" جناب راشٹرپتی ابوالکلام صاحب آزاد کانگریسی حکومتوں کی روش و مسلک کے نگراں تھے۔ . . . . یہ سب کچھ ان کی آنکھوں کے سامنے ہوا لیکن ان آنکھوں میں ایک قطرۂ آنسو بھی سرِ مژگاں نہ چمکا۔ ان مظالم کے خلاف ایک لفظ بھی ان کی زبان "فیض ترجمان" سے نہ نکلا۔ ایک حرف بھی ان کے قلم "حقیقت نگار" سے نہ لکھا گیا اور اس کے بعد قریب چھ ماہ سے ان واقعات کا چرچا ہو رہا ہے۔ لیکن ہمارے قومیت پرست مسلمان حضرات کی طرف سے کوئی صدائے احتجاج ان کے خلاف نہیں اُٹھی۔ اگر غیرت ملی کی کوئی رمق بھی ان کے خون میں باقی رہتی۔ اگر ایمان کا کوئی ذرہ ان کے قلب میں موجود ہوتا تو اس کا تقاضا تھا کہ اور کچھ نہ ہو سکتا تو کم از کم ایک آہ تو ان کے لب تک آجاتی لیکن ان سنہری اور روپہلی

مصلحتوں کا کیا علاج جن کا حکم ہے کہ آنکھوں سے سب کچھ دیکھو لیکن اپنے آقاؤں کے خلاف ایک لفظ بھی زبان تک نہ لاؤ۔ ورنہ راندۂ درگاہ ہو جاؤ گے اور نہ وزارتیں باقی رہیں گی نہ امارتیں۔ اس بھوکی اور ننگی قوم کی حمایت سے کیا ملے گا۔ حمایت ان کی کرو جن کے گوشۂ چشم کے التفات سے یہ سب ٹھاٹھ قائم ہیں ؎

مذہب نے پکارا اے اکبر۔ اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
یاروں نے کہا یہ سب ہے غلط۔ تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

اس دوران میں ہندوستان بھر کے "آزاد مسلمانوں" کی متعدد کانفرنسیں ہوئیں۔ جمعیت العلماء کے "حق بیں" اور "حق گو" "مجاہدین" کے اجلاس ہوئے "حریت مآب" مجلس احرار کے جلسے ہوئے جناب راشٹرپتی نے متعدد تقاریر ارشاد فرمائیں۔ لیکن حرام جو کسی ایک کی زبان پر اس شرمناک واقعہ کے متعلق ایک لفظ بھی آیا ہو آتا کیسے!

اور جب "اپنوں" کی یہ حالت ہے تو بیگانوں پر کیا گلہ! ورنہ ہم پوچھتے جناب پنڈت نہرو جی سے کہ آپ جو جناب فضل الحق صاحب کو چیلنج دے رہے تھے کہ آؤ میرے ساتھ چلو۔ اور کانگریسی حکومت کی کوئی بدعنوانی دکھلاؤ۔ اب اس واقعۂ مذمومہ کی تفصیلات سامنے آنے پر کیوں سانپ سونگھ گیا۔

اور ہم پوچھتے سیوا جی کے دیش کے ان "مہا تما جی" سے جو نوع انسانی کے غم میں سوکھ کر پسلی بن رہے ہیں کہ چاندور نیوا کے ان ستم رسیدہ مسلمانوں کے غم میں آپ کا قلب حزیں کیوں نہ تڑپا! لیکن کیوں تڑپتا! یہ سب کچھ تو ہائی کمانڈ کے اشاروں پر ہو رہا تھا۔

یہ ہے وہ قوم جو حکومت کے خواب دیکھ رہی ہے ؎
دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

سخاوت حاتمی

مسٹر راجہ گوپال اچاریہ فرماتے ہیں کہ اگر انگریز ہندوستان میں قومی حکومت کی تشکیل پر راضی ہو جائیں تو میں اپنے رفقائے کار کو اس امر پر رضامند کرلوں گا کہ اس حکومت کا وزیر اعظم مسلم لیگ پارٹی منتخب کرے۔ چنانچہ ان کی تائید میں سب سے پہلے مسٹر ستیامورتی صاحب بولے ہیں جنہوں نے فرمایا ہے کہ ہاں ہمیں بالکل منظور ہے کہ مسٹر جناح اس قومی حکومت کے وزیر اعظم مقرر کر دیئے جائیں۔ یہی ستیامورتی صاحب نے جنہوں نے ابھی ۱۳/ اگست کو مدراس میں فرمایا ہے کہ "ہندوستان میں تمام ہندوستانیوں کے لیے بلالحاظ فرقہ اور مذہب ایک مشترکہ قانون نافذ ہونا چاہیے" (ہندوستان ٹائمز بتہ ۱۵) اور اپنے اس بحرِ جود و سخا کو بھی ان سواحل میں مقید فرماتے ہیں کہ

"ہم ہندو۔ یا مسلم۔ یا عیسائی راج نہیں چاہتے ہم تو جمہوریت کا راج چاہتے ہیں" (ہندوستان ٹائمز بتہ ۲۴)

یعنی

(۱) حکومت اکثریت کی ہوگی۔

(۲) ملک کا قانون مشترکہ ہوگا۔

(۳) وزیر اعظم مسٹر جناح ہوں گے۔

جیسے آجکل کانگریس کے پریذیڈنٹ جناب آزاد صاحب ہیں۔ لیکن یہ توفیق جناب آزاد ہی کے حصہ میں آئی ہے کہ اس قسم کی نمائشی صدارت پر اتراتے ہیں۔ جناح کو اللہ تعالیٰ نے حمیت اور غیرت بھی عطا فرمائی ہے

برو۔ ایں دام بر مرغِ دگر نہ

کہ عنقا را بلند است آشیانہ

المرقوم ۲۶/ اگست ۱۹۳۹ء

پاکستان کی مخالفت

حال ہی میں ایک "ہندو لیگ" قائم ہوئی ہے جس کا مقصد وحید پاکستان اسکیم کی مخالفت ہے۔ اس لیگ کے نزدیک ہندو

کی تعریف یہ ہے کہ وہ ہندوستان میں رہتا ہو اور پاکستان کی مخالفت کرتا ہو۔ اس لیگ کا پہلا جلسہ مسٹر اپنے کی زیر صدارت لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ جناب صدر نے اپنے خطبہ کے دوران میں نہایت شرح وبسط سے بتایا کہ اس لیگ کا کیا مقصد ہے اور پاکستان کی اسکیم کی مخالفت کیوں ضروری ہے! ان کے نزدیک پاکستانی اسکیم۔ پان اسلام ازم ہی کا ایک جزو ہے اور پان اسلام ازم کے متعلق ارشاد ہے کہ :۔

"اس کا حتمی مقصد یہ ہے کہ ایشیائی اقوام۔ مثلاً ہندوستان اور برما کو اسلامی کلچر اور مذہب اسلام کے زیر اثر لایا جائے "

یعنی پاکستان سے مقصد یہ ہے کہ یہاں اسلامی کلچر اور اسلامی مذہب کے اثرات کو عام کیا جائے۔ اس کی مخالفت کیوں ضروری ہے ؟ اس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ :۔

"ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کے باشندوں نے ہمیشہ بھارت ورش کی وحدت کے نظریہ کو اپنے دل میں جگہ دی ہے تاکہ یہ سب کی مشترکہ "مادر وطن" رہے۔ ہندوؤں کی رسوم معاشرت اور ان کی سیاسی زندگی کی بنیاد ہی "ایک ملک" کے اصول پر قائم ہے اگر ہندوستان کو دو مختلف قوموں میں تقسیم کر کے یہاں دو مختلف سیاسی قوتوں کو قائم کر دیا جائے تو ہندو کلچر کی تار پود بکھر جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے کوئی ہندو اس قسم کی اسکیم پر رضامند نہیں ہوسکتا "

(ہندوستان ٹائمز ۲۸/۷)

مسٹر اپنے کے ان خیالات سے جو درحقیقت تمام ہندوؤں کے خیالات کے ترجمان ہیں۔ دو باتیں واضح ہوگئیں :۔

(۱) پاکستان اسکیم سے مسلمانوں کا مقصود یہ ہے کہ یہاں اسلامی کلچر اور مذہب کے اثرات کو متمکن کیا جائے اور

(۲) اگر یہ اسکیم کامیاب ہوگئی تو ہندو کلچر اور معاشرت خطرے میں پڑ جائے گا۔

اس لئے اس اسکیم کی مخالفت کی جائے۔

یہ ہیں وہ بنیادی اصول جن کی بنا پر پاکستانی اسکیم کی مخالفت کی جانی ضروری ہے۔ ہندو اگر اس کی مخالفت کرتا ہے تو وہ اپنے نقطۂ نظر کے ماتحت حق بجانب ہے۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں ان نام نہاد "مسلمان" "قومیت پرست حضرات سے کہ آپ کس بنا پر اس اسکیم کی مخالفت فرما رہے ہیں؟ ذرا گریبان میں منہ ڈال کر دیکھئے کہ آپ کی اس مخالفت کا مفہوم کیا ہے! اور حیرت ہے کہ اس مخالفت کرنے والے گروہ میں صرف مسٹر اور شری یت ہی نہیں ہیں بلکہ خیر سے بڑے بڑے جبّوں اور قبوں کے حاملین حضرات علمائے کرام بھی ہیں۔

کعبہ کی اینٹوں سے کاشی کے مندر کی تعمیر اور معمارِ حرم کے ہاتھوں سے؟
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے!

زندہ رود

(حکیم الامتہ۔ حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی زندۂ جاوید کتاب جاوید نامہ کے مطالعہ کے بعد علامہ اسلم صاحب جیراجپوری مدظلہ العالی نے اپنے تاثرات چند درخشندہ اشعار میں قلمبند فرمائے اور چونکہ علامہ مرحوم نے اس کتاب میں اپنے آپ کو "زندہ رود" کے نام سے مخاطب فرمایا ہے اس لئے اس نظم کا عنوان بھی "زندہ رود" رکھا گیا۔ یہ نظم اولین "یوم اقبال" (جنوری ۱۹۳۸ء) میں پڑھی گئی جو اس قدر مقبول ہوئی کہ آج تک اس کی اشاعت کے تقاضے موصول ہو رہے ہیں "زندہ رود" آج ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے لیکن اس رود کے زندہ ہونے میں کسے کلام ہو سکتا ہے کہ اقبال اس پیکر خاکی کا نام نہیں جو زیر زمین مدفون ہے بلکہ اس آفتاب حقیقت کا نام ہے جو ظلمتکدۂ عالم میں آج بھی اسی طرح ضیا بار ہے جیسے پہلے تھا کہ اس آفتاب نے اللہ کی کتاب مبین سے اکتساب نور کیا تھا۔ اقبال رح کی حقیقت ایک اقبال شناس اور قرآن دان کی زبان سے سنئے۔) (طلوع اسلام)

اے کہ ذاتِ تست ملت را چراغ اے کہ شعرِ تست فردوسِ دماغ
اے کہ در سازت نوائے زندگی خوش سرودی نغمہائے زندگی
آتشے از سوزِ خود افروختی جانِ ما افسردگاں را سوختی
طبع درّاکت جہاں را وانکافت شاعری در ذاتِ تو معراج یافت
در خیالِ خود گذشتی از فلک تا شدی انباز با حور و ملک
وانسوئے گردوں جہانیدی سمند تا بزیرِ پایۂ عرش بلند
نورِ حق را در طلاطم دیدۂ خویشتن را اندراں گم دیدۂ
عشق را تازہ برات آوردۂ یعنی پیغامِ حیات آوردۂ
شرح دادی عالم موجود را وا نمودی منزلِ مقصود را
گفتۂ تو مغز و جانِ شاعری بر تو می نازد جہانِ شاعری
اے کہ از آبِ حیاتی زندہ رود بر روانی ہائے تو از من درود!

حضرت ابراہیمؑ کے (معاذاللہ) جھوٹ؟

مذہب کی بنیاد رسول کی صداقت کے ایمان پر ہے۔ ایک شخص دعوے کرتا ہے کہ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ بلکہ وہ اللہ کا کلام ہے جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔ آپ نہ تو خدا سے دریافت کر سکتے ہیں کہ یہ واقعی تیرا کلام ہے نہ جبریل امین سے اس امر کی تصدیق کرا سکتے ہیں کہ یہ پیغام واقعی خدا کا فرستادہ ہے۔ اس دعوے کی صداقت کا صرف ایک ذریعہ ہے کہ آپ کا یہ ایمان ہو کہ مدعی جھوٹ نہیں بولتا ہمیشہ سچ کہتا ہے۔ ایمان بالرسالتہ سے یہی مفہوم ہے کہ اس میں شبہ نہیں کہ کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص براہ راست اس پیغام کے مطالعہ سے اس نتیجے پر پہنچ جائے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہو سکتا۔ اور یوں اس کے منجانب اللہ ہونے پر ایمان لے آئے۔ لیکن یہ صورت بالکل شاذ ہے۔ عام شکل وہی ہے جو پہلے بیان کی گئی اور اگر بغور دیکھا جائے تو جو شخص براہ راست پیغام کے مطالعے سے اس کے منجانب اللہ ہونے پر ایمان لاتا ہے وہ بھی رسول کی صداقت پر یقین رکھتا ہے اس لیے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک شخص پیغام کو وحی الٰہی تسلیم کرے اور جس پر وہ پیغام نازل ہوا ہے (نعوذ باللہ) اُسے جھوٹا سمجھے اس لیے حقیقت یہی ہے کہ مذہب کی بنیاد رسول کی سچائی کے ایمان پر ہے۔ اس لیے رسول کی بنیادی صفت یہ ہے کہ وہ سچائی کا مجسمہ ہوتا ہے۔ سرتاپا صداقت ہوتا ہے۔ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ کذب کا شائبہ تک بھی اس کے پاس نہیں پھٹک سکتا۔ اس کا قول، فعل، ارادہ، تدبیر، ہر عمل اور ہر حرکت سچائی کی مظہر اور صداقت کا جیتا جاگتا نمونہ ہوتی ہے۔ اگر کبھی یہ تصور کر لیا جائے کہ (معاذ اللہ) رسول بھی کبھی کبھی جھوٹ بول دیتا ہے تو دین کی ساری عمارت نیچے گر پڑتی ہے۔ مجموعہ احادیث امام بخاریؒ میں ایک حدیث ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے تین مرتبہ جھوٹ بولا تھا۔ جناب پرویز صاحب نے اپنے مضمون "شخصیت پرستی" میں

اس حدیث کے متعلق لکھا تھا۔ کہ اگر اسے صحیح تسلیم کیا جائے تو اس سے یہ ماننا لازم آئے گا کہ خدا کی ایک برگزیدہ نبی ؑ نے (معاذ اللہ) جھوٹ بولا۔ اور دوسرے اُولوالعزم رسول ﷺ نے (نعوذ باللہ) اس جھوٹ کی شہادت دی۔ اور اگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق اس قسم کا ایمان رکھا جائے تو پھر صداقت کو دنیا میں کہاں تلاش کیا جائے۔ دہلی کے ایک صاحب "حضرت علامہ جامع معقول و منقول مولانا ابوسعید شرف الدین صاحب محدث" نے اس کے جواب میں ایک پمفلٹ شائع کیا ہے جس کے دوران میں آپ تحریر فرماتے ہیں؛

ایک اور مغالطہ منکر معترض کا ملاحظہ ہو۔ صحیح بخاری کی حدیثوں کو غیر معتبر بنانے کے لیے حضرت ابراہیم ؑ کے بارے میں حدیث پیش کی ہے کہ آپ نے تین جھوٹ بولے۔ منکر یا معترض نے صحیح بخاری کی حدیث کا ذکر کر کے تو اعتراض کیا مگر قرآن مجید کی آیتوں کا ذکر نہ کیا جہاں حضرت ابراہیم ؑ کے کفار کے بتوں کو توڑنے کا بیان ہے کہ جب وہ لوگ اپنے میلہ کو جانے لگے، اور حضرت ابراہیم ؑ کو بھی جانے کے لیے کہا تو اُنہوں نے ستاروں میں نظر کر کے کہا کہ میں بیمار ہوں یا ابھی بیمار ہونے والا ہوں تو وہ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ پیچھے ان کے بُت توڑ ڈالے۔ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ط فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ الیٰ قولہ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ۔ (پ ۲۳ ع ۶) پھر جب اُنہوں نے حضرت ابراہیم ؑ سے دریافت کیا کہ ہمارے بت کس نے توڑے تو آپ نے فرمایا بڑے بُت نے قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ الایۃ (پ ۱۷ ع ۴) لیجیے دو جھوٹوں کا ذکر تو قرآن مجید ہی میں آ گیا باوجودیکہ بیمار نہ تھے۔ مگر تاروں میں نظر کر کے کفار پر بیماری ظاہر کی اگر فی الواقع بیمار ہوتے تو تاروں میں دیکھ کر کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور آپ نے بُت توڑ کر بڑے بُت کا نام لے دیا۔ پھر جو توجیہہ یا تاویل وہ قرآن مجید کی کرے گا اسی قسم سے حدیث کی سمجھ لیجیے گا۔

اور سنیے:۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا "پھر جب ابراہیم ؑ پر رات چھا گئی تو ایک

قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ الآیہ (پ، ع ۱۴)

تارے کو دیکھ کر کہا یہ میرا رب ہے پھر جب وہ غائب ہو گیا تو کہا میں غائب ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا پھر جب چاند کو روشن دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے پھر جب وہ غائب ہو گیا تو کہا اگر میرا رب مجھ کو ہدایت نہ کریگا تو میں البتہ گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے۔"

دیکھیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تارے، سورج، چاند کو خدا کہا۔ یہاں پر بتایئے تارے سورج، چاند کو خدا کہنا سچ ہے یا جھوٹ۔ معترض بُری طرح پھنسا۔ اگر اس کو جھوٹ کہتا ہے تو جھوٹ ثابت ہوتا ہے اور اگر سچ کہتا ہے تو جھوٹ بھی ہے اور مشرک بھی بنتا ہے۔ پھر لطف یہ کہ یہ جھوٹ بھی حقیقی ہے یہ امر دیگر ہے کہ پیچھے اُنہوں نے اس کی تردید کر دی۔ گفتگو تو اس میں ہے کہ ان کی زبان سے ایسا کلمہ نکلا جو سچ نہ تھا مگر تاہم ان پر اس کا کوئی مواخذہ نہیں۔ لیجیے معترض حدیث کے ماننے والوں کو تین جھوٹوں کا الزام دے رہا تھا خود اسی پر پانچ ثابت ہو گئے اُلٹے لینے کے دینے پڑ گئے۔

آپ نے جواب ملاحظہ فرمالیا۔ یعنی جناب محدّث صاحب کا ارشاد ہے کہ معترض کو حدیث کی تین جھوٹوں پر تعجب آرہا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں پانچ جھوٹ ثابت ہیں استغفر اللہ ربی۔ ھٰذا افک عظیم۔ یہ ہے برادران! وہ خالص شخصیت پرستی جس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی گئی تھی۔ یعنے ان حضرات کے نزدیک دین یہ ہے کہ امام بخاریؒ یا ان کے راویوں پر کوئی اعتراض نہ پڑ جائے خواہ ان کی مدافعت DEFENCE میں خدا اور اُس کے رسول بھی لپیٹ میں کیوں نہ آجائیں۔ ان حضرات کا مذہب یہ ہے کہ جامعین احادیث اور رواۃ حضرات منزہ عن الخطاء اور معصوم ثابت

کر دیے جائیں خواہ ایسا کرنے میں (معاذ اللہ) خدا جھوٹ کا بیان کرنے والا۔ نبی اکرمؐ جھوٹ کی شہادت دینے والے۔ اور حضرت ابراہیمؑ جھوٹ بولنے والے کیوں نہ قرار پائیں۔ پناہ بخدا! اگر یہی کچھ کوئی غیر مسلم کہدے تو نہ معلوم مسلمانوں کی حرارت ایمان کیا سے کیا نہ کر دے لیکن یہ ہماری حامیانِ شرع متین اور حاملانِ دین مبین ہیں کہ ان چیزوں کو دین بنا کر پیش کرتے ہیں اور جو شخص خدا کی غضب سے ڈر کر اس سے انکار کی جرأت کر دے۔ اسے کافر اور زندیق قرار دیتے ہیں۔ ہم جناب محدث صاحب کو تو درخورِ تخاطب ہی نہیں سمجھتے کہ جس کا دین یہ ہو۔ اس سے اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ **لکم دینکم و لی دین**۔ (تمہارا دین تمہارے لیے۔ ہمارا دین ہمارے لیے) البتہ ہم بتانا یہ چاہتے ہیں کہ جب جوشِ تعصب میں انسان اپنی آنکھیں یوں بند کر لیتا ہے تو اس پر قرآن فہمی کی راہیں کیسے مسدود ہو جاتی ہیں۔ محدث صاحب نے قرآن کریم کے تین مقامات سے حضرت ابراہیمؑ کے (نعوذ باللہ) جھوٹ بولنے کا ثبوت پیش کیا ہے۔

اوّل۔ حضرت ابراہیم نے شمس و قمر کو دیکھ کر کہا کہ یہ خدا ہیں۔

دوم۔ اُنہوں نے بتکدے کے بتوں کو خود توڑا اور کہہ دیا کہ انہیں بڑے بت نے توڑا ہے۔ اور

سوم۔ اُنہوں نے بہانہ سازی سے کہدیا۔ کہ میں بیمار ہوں حالاں کہ وہ بیمار نہ تھے۔

اب دیکھیے کہ ان مقامات کے متعلق قرآن کریم کا کیا ارشاد ہے۔ اس باب میں ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ ان حضرات کے فہم قرآن کے نتائج پیش کر دیے جائیں جو خود حدیث کو حجت دینی مانتے ہوں۔

مقام اوّل۔ یہ واقعہ سورۂ انعام کی حسب ذیل آیات میں مذکور ہے جس کا ترجمہ جناب ابوالکلام صاحب آزاد کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے جو بہت بڑے اہل حدیث مانے جاتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ .... تَعْلَمُوْنَ۔ الانعام $\frac{6}{74-82}$

اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم نے اپنے باپ آذر سے کہا تھا "کیا تم پتھر کے بتوں کو معبود مانتے ہو؟ میرے نزدیک تو تم اور تمہاری قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔"

اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت کے جلوے

دکھائے تاکہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے ہو جائے۔

پھر (دیکھو) جب ایسا ہوا کہ اس پر رات کی تاریکی چھاگئی تو اس نے (آسمان پر) ایک کوکب (چمکتا ہوا) دیکھا اسنے کہا "یہ میرا پروردگار ہے" (کہ سب لوگ اسکی پرستش کرتے ہیں) لیکن جب وہ ڈوب گیا تو کہا "نہیں، میں انہیں پسند نہیں کرتا جو ڈوب جانے والے ہیں" (یعنی طلوع وغروب ہوتے رہتے ہیں) پھر جب ایسا ہوا کہ چاند چمکتا ہوا نکل آیا، تو ابراہیمؑ نے کہا "یہ میرا پروردگار ہے" لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا، تو کہا "اگر میرے پروردگار نے مجھے راہ نہ دکھائی ہوتی، تو میں ضرور اسی گروہ میں سے ہو جاتا جو راہِ راست سے بھٹک گیا ہے!"

پھر جب صبح ہوئی، اور سورج چمکتا ہوا طلوع ہوا، تو ابراہیم نے کہا "یہ میرا پروردگار ہے کہ یہ سب سے بڑا ہے۔" لیکن جب وہ بھی غروب ہوگیا، تو اس نے کہا "اے میری قوم! تم جو کچھ خدا کے ساتھ شریک ٹھیراتے ہو۔ میں اس سے بیزار ہوں۔ میں نے تو ہر طرف سے منہ موڑکر، صرف اُسی ہستی کی طرف اپنا رُخ کرلیا ہے جو (کسی کی بنائی ہوئی نہیں، بلکہ آسمان و زمین کی بنانے والی ہے اور جس کے حکم وقانون پر تمام آسمانی اور ارضی مخلوقات چل رہی ہیں۔) اور میں ان میں سے نہیں جو اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے ہیں!"

اور (پھر) ابراہیمؑ سے اس کی قوم نے ردّوکد کی ابراہیم نے کہا۔ کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں ردّوقدح کرتے ہو، حالانکہ اس نے مجھے راہِ حق دکھادی ہے (اور میں حق کی معرفت کے بعد جہل وگمراہی اختیار کرنے والا نہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ تم مجھے اپنے معبودانِ باطل کا ڈر دکھاتے ہو تو یاد رکھو) جنہیں تم نے خدا کا شریک ٹھہرالیا ہے میں ان سے نہیں ڈرتا۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ مگر یہ کہ، میرا پروردگار ہی مجھے نقصان پہنچانا چاہے۔ میرا پروردگار اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ (اگر مجھے نقصان پہنچنا ہے تو اس کے حکم وعلم ہی سے پہنچے گا۔) پھر کیا تم (حقیقت کی اتنی وضاحت

پر بھی) نصیحت نہیں پکڑتے ؟"

"اور (دیکھو) میں ان ہستیوں سے کیوں کر ڈر سکتا ہوں جنہیں تم نے خدا کا شریک ٹھیرالیا ہے جب کہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھیراؤ جن کے لیے اس نے کوئی سند و دلیل تم پر نہیں اتاری؟ بتلاؤ، ہم دونوں فریقوں میں سے کس کی راہ امن کی راہ ہوئی۔ اگر علم و بصیرت رکھتے ہو؟

ان آیات کے متعلق جناب ابوالکلام صاحب آزاد حسب ذیل تفسیری نوٹ درج فرماتے ہیں،

حضرت ابراہیم ؑ کا ظہور ایک ایسے عہد و ملک میں ہوا، جب بابل اور نینوا کی عظیم الشان قومیں اجرام سماویہ کی پرستش میں مبتلا تھیں۔ اور شہر آدر میں زہرہ، چاند، اور سورج کے معبد تھے۔ جہاں صبح و شام پرستاری کے لیے لوگ جمع ہوا کرتے تھے۔

لیکن حضرت ابراہیم ؑ کے قلب سلیم پر خدا پرستی کی صداقت کھول دی گئی۔ خدا نے ان پر اپنی بادشاہت و کارفرمائی کے جلوے کچھ اس طرح روشن کر دیئے، کہ جہل و غفلت کا کوئی پردہ بھی ان کی معرفت میں حائل نہ ہو سکا! یہ حقیقت جب ان پر کھولی گئی تو علم و بصیرت کی کونسی حجت تھی۔ جس نے انکی راہنمائی کی۔ قرآن نے ایک ایسے پیرایۂ بیان میں جو اس کی معجزانہ بلاغت کا مظہر ہے یہاں اس کا مرقع ہمارے سامنے کھینچ دیا ہے۔

جب شام ہوئی تو زہرہ نکلی۔ اور اپنی ساری درخشانیوں کے ساتھ پردۂ شب سے جھانکنے لگی۔ حضرت ابراہیم ؑ نے اپنی قوم کا عقیدہ نقل کرتے ہوئے کہا۔ یہ چمکتا ہوا کوکب میرا پروردگار ہے۔ کیونکہ اسی کی تمثال کی پوجا کی جاتی ہے لیکن جب کچھ دیر بعد وہ ڈوب گیا تو اُنہوں نے کہا۔ جو ہستیاں ڈوب جانے والی.... اور چھپ جانے والی ہیں میں ان کا پرستار نہیں۔ کیوں کہ جو ہستی اپنی طلوع و غروب میں کسی ٹھیرائے ہوئے قاعدے و حکم کی پابند ہوئی۔ تو وہ پروردہ ہوئی۔ پروردگار نہیں ہو سکتی۔

پھر پردۂ ظلمت چاک ہوا۔ اور چاند چمکتا ہوا نکل آیا۔ وہ بولے یہ پروردگار ہے؟ لیکن بھی نہ ٹک سکا اور غروب ہو گیا!

اب صبح ہوئی اور مہر جہانتاب درخشاں ہو گیا۔ یہ سب سے بڑا ہے کہ اس سے بڑا اجرام سماویہ میں کوئی

نہیں۔لیکن دیکھو۔یہ بھی تو کسی کے حکم کے آگے جھکا ہوا ہے۔اس کی روشنی کو بھی قرار نہیں۔ پہلے بڑھنے لگی۔ پھر ڈھلنے لگی۔پھر رفتہ رفتہ غروب ہو گئی!

حضرت ابراہیم ؑ نے کہا۔نہیں، ان میں سے کوئی بھی پروردگار نہیں ہو سکتا کیوں کہ سب زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں کہ ہم مختار نہیں ہیں مجبور ہیں۔ حاکم نہیں۔ محکوم ہیں۔ ہم سے بھی ایک بالاتر ہستی ہے جس نے ہمیں اپنے حکموں اور قاعدوں کے آگے جھکا رکھا ہے۔پس وہ جو ان سب سے بالاتر اور ان سب کا بنانے والا ہے۔میں صرف اسی کا ہو رہا۔میری راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہیں۔

پھر جب انکی قوم نے ردّ و قدح کی۔تو انہوں نے کہا۔تم مجھے اپنے معبودانِ باطل سے نہ ڈراؤ۔ دیکھو ہم دو فریق ہیں۔ایک میں ہوں کہ انہیں نہیں مانتا جن کے ماننے کے لیے کوئی دلیل اور روشنی موجود نہیں ایک تم ہو کہ ان سب کی پرستاری کرتے ہو جن کی پرستاری کے لیے کوئی دلیل اور روشنی موجود نہیں۔ بتلاؤ دونوں فریقین میں سے کس کی راہ امن کی راہ ہوئی۔

یہ حقیقت کہ پرستش اسی کی کرنی چاہیئے جس کی پرستش کے لیے علم و بصیرت کی شہادت موجود ہو اور بنیاد اس معاملے کی علم و حقیقت ہو نہ کہ رسم و تقلید۔ وہ حجت بالغہ ہے۔جو اللہ نے حضرت ابراہیم ؑ کے قلب پر کھول دی تھی۔یہی بنیادی صداقت ہے جس سے راہِ خدا پرستی کی تمام صداقتیں ظہور میں آئیں۔"

(ترجمان القرآن - جلد اول صفحہ ۴۳۱، ۴۳۳)

قرآن کریم کی آیاتِ مبیّنہ۔ ان کا ترجمہ اور تفسیری نوٹ آپ کے سامنے ہیں۔ان پر غور کیجئے اور فرمایئے کہ ان آیاتِ مقدسہ میں کونسی ایسی بات ہے جسے (نعوذ باللہ) کذب (جھوٹ) کہا جا سکے۔ستارہ پرستی قوم کے رگ و ریشہ میں سرایت کیے ہوئے ہے۔خالی منطقی دلائل سے ان کا اپنے عقیدے سے ہٹ جانا مشکل ہے۔اس لیے مشاہدہ سے ان کے حواس کو اپیل کیا جاتا ہے۔ستارہ طلوع ہوا تو فرمایا کہ "اچھا! تمہارے عقیدے کے مطابق یہ میرا پروردگار ہے؟" اس کے بعد ان سے منطقی بحث میں نہیں الجھ گئے بلکہ کچھ دیر تک خاموش رہے اور جب ستارہ غروب ہو گیا تو فرمایا کہ کہو۔ایسی چیز بھی خدا ہو سکتی ہے جو کبھی چمک اُٹھے

اور کبھی ڈوب جائے ؟ وقس علیٰ ہذا ۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے کہ جن پر ملکوت السمٰوات والارض کے راز ہائے سربستہ بے نقاب کر دیے گئے تھے ۔ اپنی قوم کے مسلک ستارہ پرستی کی تردید جس مسکّت و مسکّن انداز سے فرمائی اور جس معجزانہ اسلوب سے قرآن کریم نے اس کا ذکر فرمایا ہے ۔ اسے دیکھکر بصیرت وجد میں آجاتی ہے ۔ اور حق بین نگاہوں میں چمک پیدا ہو جاتی ہے ۔ لیکن ان ہی آیات کو جب ہمارے محدث صاحب دیکھتے ہیں ۔ تو انہیں ان سے (نعوذ باللہ) کذب مترشح ہوتا نظر آتا ہے ۔ کس قدر سچ فرمایا ہے کہ یضل بہ کثیراً و یھدی بہ کثیراً ۔ (اسی قرآن سے بہت سے لوگ ہدایت پائیں گے اور بہت سے گمراہ ہو جائیں گے) کہ :-

دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھکر

مقام دوم ۔ یہ واقعہ سورۂ انبیا کی آیات ۵۱ لغایت ۶۸ میں مذکور ہے ۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا .... فٰعِلِیْنَ ۔

اور اس سے پہلے ہم نے ابراہیمؑ کو اس کے درجہ کے مطابق سمجھ بوجھ عطا فرمائی تھی ، اور ہم اس کی حالت سے بے خبر نہ تھے ۔

جب اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا تھا " یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی پوجا پر تم جم کر بیٹھ گئے ہو ؟" تو انہوں نے جواب دیا تھا " ہم نے اپنے باپ دادوں کو دیکھا ، ان ہی کی پوجا کرتے تھے "

ابراہیم نے کہا " یقین کرو ۔ تم خود بھی اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے"

اس پر انہوں نے کہا " تو ہم سے سچ مچ کہہ رہا ہے یا مزاح کر رہا ہے ؟ "

ابراہیم نے کہا " نہیں ۔ میں کہتا ہوں ۔ آسمان اور زمین کا پروردگار جس نے ان سب کو پیدا کیا ۔ وہی تمہارا بھی پروردگار ہے ۔ میں اس حقیقت پر تمہارے آگے گواہ ہوں ! "

"اور (ابراہیمؑ نے کہا) بخدا، میں ضرور تمہارے ان بتوں کے ساتھ ایک چال[1] چلوں گا۔ جب تم سب پیٹھ پھیر کے چل دو گے۔"

چنانچہ (اُس نے ایسا ہی کیا) اُس نے بتوں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ صرف ایک بُت جوان میں بڑا سمجھا جاتا تھا، چھوڑ دیا۔ کہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

اُنہوں نے کہا (یعنی جب لوگ معبد میں واپس آئے تو یہ حال دیکھ کر کہنے لگے) "ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی؟ جس کسی نے کی ہو، وہ بڑا ہی ظالم آدمی ہے۔

چند آدمیوں نے کہا "ہم نے ایک نوجوان کو ان کے بارے میں کچھ کہتے سُنا تھا۔ اسے کہہ کر پکارتے ہیں" لوگوں نے کہا "اسے یہاں تمام آدمیوں کے سامنے بلا لاؤ۔ تاکہ سب گواہ رہیں۔"

ان لوگوں نے ابراہیمؑ سے کہا (کیوں کہ اب اسے بلا لائے تھے) ابراہیمؑ! کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی؟"

ابراہیمؑ نے کہا "بلکہ (یوں سمجھو) اس بت نے کی۔ جو ان میں سب سے بڑا ہے۔ اگر بُت بول سکتے ہیں تو خود اسی سے دریافت کر لو۔"

تب وہ آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے۔ اُنہوں نے کہا "اس میں شک نہیں ناانصافی کی بات تو ہم ہی سے ہو گئی۔"

پھر وہ اس حال میں پڑ گئے کہ (شرم و خجالت سے) سر جھکے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے کہا "تو اچھی طرح جانتا ہے یہ بُت بات نہیں کیا کرتے۔"

ابراہیمؑ نے کہا "پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو تمہیں نہ تو کسی طرح کا نفع پہنچائیں نہ نقصان؟ تمہاری حالت کتنی ناقابلِ برداشت ہے۔ اور ان کی بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ کیا تم عقل سے بالکل کورے ہو گئے؟"

---

[1] تدبیر کروں گا۔ طلوعِ اسلام۔

اُنہوں نے (آپس میں) کہا "اگر ہم میں کچھ بھی ہمت ہے۔ تو آؤ۔ اس آدمی کو آگ

میں ڈال کر جلا دیں اور اپنے معبودوں کا بول بالا کریں۔"

(مگر) ہمارا حکم ہوا "اے آگ! ٹھنڈی ہو جا، اور ابراہیم کے لیے سلامتی!"

اس واقعہ کے متعلق جناب ابوالکلام صاحب آزاد نے ترجمان القرآن (جلد دوم) میں تفصیل سے بحث کی ہے جس میں زیر نظر حدیث کا بھی ذکر آگیا ہے۔ اور یہ بھی کہ احادیث کی اصل پوزیشن کیا ہے غور سے ملاحظہ فرمایئے۔

سورت کی تشریحات ختم ہو گئیں مگر ایک نہایت اہم مبحث باقی رہ گیا ہے۔ یعنے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی بت شکنی کا واقعہ جو آیت (۵۷) سے (۶۷) تک بیان کیا گیا ہے۔ عام طور پر مفسروں نے یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ حضرت ابراہیم نے تین موقعوں پر ایسی بات کہی جس پر بہ ظاہر جھوٹ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اس میں سے ایک موقع یہ ہے۔ جب اُن سے پوچھا گیا "ءانت فعلت ھٰذا" کیا تو نے بتوں کو توڑا ہے؟ تو اُنہوں نے کہا "بل فعلہ کبیرھم ھٰذا" بلکہ اس بڑے بُت نے ایسا کیا۔ حالاں کہ فی الحقیقت فعل خود اُن ہی کا تھا۔

اس بارے میں استدلال صحاح کی ایک روایت سے کیا جاتا ہے۔ لیکن سب سے پہلے ہمیں خود اس مقام پر تدبر کرنا چاہیئے کہ کیا فی الحقیقت یہاں کوئی ایسا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس سے حضرتِ ابراہیم کا جھوٹ بولنا ثابت ہوتا ہو خواہ وہ جھوٹ کسی درجہ اور کسی نوعیت کا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ تفسیر قرآن کی تاریخ کی بوالعجبیوں میں اس سے بڑھ کر اور کوئی ناقابلِ توجیہ بوالعجبی نہیں۔ قرآن میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے اس اصدق الصّادقین کا جھوٹ بولنا نکلتا ہو، لیکن بہ تکلّف ایک آیت کو توڑ مروڑ کر ایسا بنایا جا رہا ہے کہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ بولنے کی بات بن جائے اور اثباتِ کذب کی یہ مبارک کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟ صرف اس لیے کہ ایک مزعومہ حدیث موجود ہے۔ پس کہیں یہ قیامت نہ ٹوٹ پڑے کہ اس کے غیر معصوم راویوں کی روایت کم زور ماننی پڑے۔ گویا اصل اس باب میں غیرِ معصوم راویوں کا تحفظ ہے۔ نہ کہ معصوم رسولوں کا، اور اگر قرآن میں اور کسی روایت میں اختلاف واقع ہو جائے

تو قرآن کو روایت کے مطابق بننا پڑے گا۔ راوی کی شہادت اپنی جگہ سے کبھی نہیں ہل سکتی۔

اب غور کرو۔ یہاں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ خود قرآن کے صاف صاف لفظوں میں کیا ہے؟

سرزمین دجلہ اور فرات میں نینوا اور بابل سے پہلے جو شہر آباد ہوئے ان میں ایک شہر اور تھا۔ یہ جنوبی عراق میں فرات کے کنارے آباد تھا اور محل وقوع وہ مقام تھا جو آج کل "تل العبید" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس کی تنقید و تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔ لیکن جس قدر آثار و کتبات روشنی میں آچکے ہیں۔ اُن سے باشندگان شہر کے عقائد و اعمال کے بہت سے گوشے واضح ہو چکے ہیں۔ یہاں بت پرستی کی وہ ساری بنیادی استوار ہو چکی تھیں جو آگے چل کر نینوا اور بابل میں زیادہ وسیع اور منظم شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ پرستش کا مدار کواکب تھے۔ سب سے بڑا بُت "شمس" کا تھا یعنے شمس (سورج) کا۔ اس کے نیچے بہت سے بُت مختلف طاقتوں یا مختلف قبیلوں اور آبادیوں کے تھے۔ خود شہر اُدر کا محافظ خدا "ناننار" تھا۔ یعنے چاند۔ "تل العبید" کے ٹیلہ میں جس مندر کے آثار ملے ہیں۔ یقین کیا جاتا ہے کہ وہ "ناننار" کا مندر تھا۔

مندر کے خاص پجاریوں اور محافظوں کا ممتاز گروہ بھی پیدا ہو چکا تھا، اور انہیں دینی ریاست پیشگی کی نوعیت حاصل ہو گئی تھی۔

حضرت ابراہیم کا ظہور اسی شہر میں ہوا۔ اُن کے والد تارخ کا بچپنے ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ چچا نے پرورش کی تھی اور چونکہ وہ مندر کے پجاریوں میں سے تھا، اس لیے "آدار" کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ "آدار" قدیم کالدی زبان میں بڑے پجاری یا محافظ معبد کو کہا کرتے تھے۔ یہی "آدار" ہے جس نے بعد کی عربی میں "آزر" کی شکل اختیار کر لی، اور اسی لیے قرآن نے اس کا ذکر "آزر" کے نام سے کیا۔

حضرت ابراہیم نے جب آنکھ کھولی تو خود اپنے گھر میں بت پرستی پائی۔ لیکن اللہ نے سچائی کی حجتوں اور دلیلوں کی وحی سے ان کا قلب سلیم اس طرح معمور کر دیا تھا کہ نہ تو قوم و وطن کی جہالت و گمراہی اُسے چھو سکی، نہ خود اپنے عزیزوں اور بزرگوں کا اعتقاد راسخ اُسے متاثر کر سکا۔ اُنہوں نے پہلے اپنے گھرانے میں تبلیغ کی، پھر تمام قوم

---

[1] فلاڈلفیا یونی ورسٹی (امریکہ) کے عجائب خانہ اور برطانی عجائب خانہ کی ایک مشترک اثری جمعیت نے تل العبید کی کھدائی کا کام شروع کیا تھا۔ جو جنگ کی وجہ سے رُک گیا تھا۔ مگر اب پھر جاری ہو گیا ہے۔ اس کے انکشافات نے حضرت ابراہیم کی سرگزشت مندرجۂ قرآن کے متعدد گوشوں پر نہایت اہم روشنی ڈالی ہے۔ سورۂ الصافات کی تشریحات میں مختصراً اس کا ذکر کیا جائے گا اور تفصیل مقدمہ میں ملے گی۔

کو پیام حق پہنچایا۔

اُنہوں نے پہلے شرک و بُت پرستی کے خلاف عقل سلیم کی حُجّتیں اور وجدان صادق کی شہادتیں پیش کیں؛ وتلک حُجتنا آتیناھا ابراھیم علی قومہ نرفع درجات من نشاء، ان ربک حکیم علیم۔ (۶: ۸۳) لیکن پھر دیکھا کہ آباؤ اجداد کی تقلید کی ظلمت اس طرح دلوں پر چھاگئی ہے کہ عقل بینش کی کوئی روشنی بھی انہیں دکھائی نہیں دیتی۔ ہر حُجت و آیت کا جواب ان کی زبانوں سے یہی نکلتا ہے کہ وجدنا آباءنا لھا عابدین (۵۳) نیز اُنہوں نے دیکھا، ایک عرصہ کے تعامل و توارث نے لوگوں کی عقلیں یکسر مفلوج کردی ہیں۔ بتوں کے روحانی اقتدار و تصرّف کا عقیدہ ان کی رگ رگ میں سرایت کرگیا ہے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات آہی نہیں سکتی کہ الوہیت و قدوسیت کی یہ متمثّل روحانیتیں جو طرح طرح کے روایتی معجزوں اور الہامی اچنبھوں کا سرچشمہ چلی آتی ہیں، محض بے اختیار مورتیاں ہو جائیں، اور جو حقیقت ہمارے اباؤ اجداد اور ان کے آباؤ اجداد نہ پاسکے، وہ کل کا ایک نوجوان لڑکا پالے۔ چنانچہ وہ اُنکی دعوت و تبلیغ کا تمسخر اڑاتے اور کہتے؛ اجئتنا بالحق، ام انت من اللاعبین ؟ (۵۵) فی الحقیقت تمہارا ایسا ہی عقیدہ ہے یا ہم سے ہنسی تمسخر کررہے ہو؟ یعنے بتوں کی عظمت اور ان کے روحانی اقتدار و تصرّف کی ہیبت دلوں پر اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ اسکے خلاف کسی کا بے دھڑک زبان کھولنا ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ وہ حضرت ابراہیم کی باتیں سنتے تو متعجب ہوکر کہتے۔ تمہارے ہوش حواس کہاں گئے؟ تم سنجیدگی سے ایک بات کہہ رہے ہو یا ہم سے مزاح کررہے ہو؟

جب ابنائے قوم کے جہل و کوری کی یہ حالت دکھائی دی تو حضرت ابراہیم نے محسوس کیا کہ حجتوں اور دلیلوں کی روشنی ایسے لوگوں کے لیے بالکل بیکار ہے۔ ان کے دلوں میں بتوں کے اقتدار و تصرّف کا وہم اعتقاد بن کر جم گیا ہے جب تک اس پر چوٹ نہیں لگے گی۔ ان کی آنکھیں کُھلنے والی نہیں۔ پس ضروری ہے کہ اعلان حقیقت کے لیے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے اور وہ طریقہ ایسا ہو کہ میری دلیلوں اور موعظتوں کی روشنی سے نہیں بلکہ خود اپنی اندھی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ صدیوں کی یہ گڑھی ہوئی عظمتیں اور نسلوں کی مانی ہوئی معبودیتیں بے اختیار مورتیوں اور بے جان پتھروں سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔ اور انسانوں کی کسی

بڑی تعداد کا کسی بڑی مدت تک ایک بات مان لینا اور کیے جانا سچائی کا ثبوت نہیں۔ سچائی کا ثبوت صرف عقل سلیم کی حجت ہے۔

یہ طریقہ کیا تھا یہ تھا کہ انہوں نے تمام لوگوں کو کھلا چیلنج دے دیا: تاللہ لاکیدن اصنامکم بعد ان تولو مدبرین! یعنی اگر عقل کی کوئی دلیل بھی تمہارے لیے سودمند نہیں۔ تم اپنے اس وہم باطل میں جمے ہوئے ہو کہ یہ مورتیاں طاقت و تصرف رکھتی ہیں، تو اچھا خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو نتیجہ کیا نکلتا ہے جونہی تم آج اپنے بڑے میلے میں گئے، میں تمہارے ان بتوں کے ساتھ ایک داؤ کھیلوں گا۔ اگر فی الحقیقت ان میں طاقت و تصرف ہے تو وہ کوئی معجزہ دکھا کر اپنے کو بچالیں۔ یا میرے ہاتھ پاؤں شل کردیں۔

جب ایک جماعت تقلید و وہم پرستی میں اس درجہ ڈوب جائے کہ عقل و بصیرت کی کوئی بات بھی اس کے اندر نہ اتر سکے تو پھر اقناع فکر کی صرف یہی ایک راہ رہجاتی ہے کہ اُن کی عقل کی جگہ ان کے حواس کو مخاطب کیا جائے اور کوئی ایسی بات کرکے دکھا دی جائے جس سے ان کی ساری وہم پرستیوں کا بطلان ہو جائے۔ مثلاً ایک بچہ چڑیا کو دیکھ کر ڈرنے لگتا ہے۔ تم ہزار اُسے سمجھاؤ کہ چڑیا کاٹتی نہیں لیکن وہ ماننے والا نہیں۔ اب ایک دانشمند آدمی کیا کرے گا؟ یہ کرے گا کہ دلیلوں کی جگہ مشاہدہ سے کام لے گا۔ وہ اپنی انگلی چڑیا کی چونچ میں ڈال دیگا اور پھر نکال کر بچہ کو دکھا دیگا کہ دیکھ لے اس نے کاٹا ہے یا نہیں کاٹا ہے۔ یہ ایک مشاہدہ بچے کے اندر جس درجے یقین پیدا کردے گا وہ ایک سو آدمیوں کی ایک ہزار دلیلوں سے بھی پیدا نہیں ہوسکتا۔ یہی حال عقول فاسدہ کا ہے۔ تم ان کی عقل و فکر سے کچھ نہیں پاسکتے۔ لیکن تم انہیں مشاہدہ کے ذریعے عاجز کردے سکتے ہو حضرت ابراہیم نے بالآخر یہی طریقہ اختیار کیا۔ اُنہوں نے کہا جس حقیقت کو تم عقل و فکر سے نہیں پاسکے ہیں مشاہدے میں لاکر تمہاری زبانوں سے اُگلوالوں گا۔ تمہارے دل میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ ان میں طاقت و تصرف ہے، اچھا میں ان پر ہاتھ اُٹھاتا ہوں۔ اب اگر سچ مچ کو ان میں اختیار و تصرف ہے تو یہ اپنے سارے معجزے لے کر نمودار ہوجائیں، اور مجھے اس سے روک دیں۔ یا مجھ پر کوئی آسمانی عذاب اتار دیں۔

لوگوں نے ان کا یہ اعلان سُنا لیکن چونکہ دلوں میں بتوں کی عظمت و تقدیس رچی ہوئی تھی۔ اس لیے قابلِ التفات نہیں سمجھا۔ وہ سمجھے یہ ایک مجنونانہ بڑہے۔ بھلا کون ہے، جو ان قادر و توانا معبودوں

کی جناب میں ایسی جرأت کر سکتا ہے؟ اور اگر کرے تو اُسے اس کی مہلت ہی کب ملے گی؟ نہیں معلوم کیا سے کیا ہو جائے۔

لیکن حضرت ابراہیم اپنے فیصلے کا اعلان کر چکے تھے اور اُسے کر کے دکھا دینا تھا۔ جونہی معبد خالی ہوا، اُنہوں نے ایک ایک کر کے تمام بت توڑ دیئے۔ صرف بڑے بت یعنے "شمس" کو چھوڑ دیا اس میں مصلحت یہ تھی "لعلهم الیه یرجعون" اگر یہ باقی رہے گا تو شاید اس کی طرف لوگ رجوع کریں۔ یعنے یہ سوال اٹھایا جا سکے کہ اس کے سامنے بتوں پر آفت آئی۔ اور خود یہ بھی کہ رب الارباب تھا کچھ نہ کر سکا۔ اب اسی ہی بتوں کی تباہی کی کہانی سن لی جائے!

جب لوگ واپس آئے اور اُنہوں نے دیکھا جو بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آتی تھی وہ وقوع میں آگئی اور سچ مچ کو ابراہیم نے سارے بت پاش پاش کر دیئے تو غور کرو ان کے دل و دماغ کا کیا حال ہوا ہوگا؟ اور ایسی حالت میں کیا ہونا چاہیئے؟ پہلے حیرت چھائی ہوگی کہ یہ کیا سے کیا ہو گیا! کیا یہ مقدس مورتیاں اس طرح توڑ پھوڑ ڈالی جا سکتی تھیں۔ پھر حضرت ابراہیم کی ساری باتیں سامنے آگئی ہوں گی صاف نظر آگیا ہوگا کہ اس بارے میں سچا وہی نکلا۔ ہم جھوٹے ہوئے۔ پھر اپنی شکست کے خیال نے غم و غصہ کی شکل اختیار کر لی ہوگی۔ فتح مند آدمی اتنا غضب ناک نہیں ہوتا جتنا شکست خوردہ ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جب کہ یہ شکست سخت ذلت و ندامت کی شکست ہو۔ اب پجاریوں کے لیے سب سے زیادہ ضروری بات یہ تھی کہ معاملہ کی شناعت عامۃ الناس سے پوشیدہ رکھی جائے۔ اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ ابراہیم نے پہلے چیلنج دے دیا تھا، اور پھر کر کے دکھا دیا تو ان کے عقیدے فوراً متزلزل ہو جائیں گے۔ پس دکھاوے کے لیے پجاریوں نے ایسا انداز اختیار کر لیا، گویا ابراہیم والی بات کی اُنہیں خبر ہی نہیں۔ آپس میں پوچھنے لگے۔ یہ شرارت کس نے کی ہے؟ جس کسی نے کی ہے وہ بڑا ہی مجرم ہے۔ وہ دیوتاؤں کے سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔ اس پر بعض دکھاوے کے لیے بول اُٹھے سمعنا فتی یذکرھم یقال لہ ابراھیم (۶۰) ہمارے سننے میں آیا ہے کہ ایک نوجوان ان مورتیوں کے بارے میں کچھ باتیں کہتا تھا۔ غالباً اسی نے کیا ہو، اسے ابراہیم کہہ کر پکارتے ہیں۔ غور کرو، کہنے والا اب بھی یہ نہیں کہتا کہ اس نے مورتیوں کے خلاف ایک داؤ کھیلنے کی دھمکی دی تھی بلکہ

صرف یہ کہہ کر ھم کہہ کے چپ ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ کوشش یہ ہے کہ اصل معاملہ عوام سے چھپایا جائے
جو اس حادثہ عظیم کی خبر سن کر وہاں جمع ہو گئے تھے اور جس کا پتہ فاتوبہ علی اعین الناس (۶۱) سے لگتا ہے
یعنے پجاریوں نے کہا۔ ابراہیم کو یہاں لوگوں کے سامنے لاؤ۔ بہرحال حضرت ابراہیم بلائے گئے، وہ اب تمام
مجمع کے سامنے کھڑے ہیں۔ مجمع میں پجاری اور عوام دونوں ہیں۔ پجاریوں کو سب کچھ معلوم ہے عوام کو
تفصیلات معلوم نہیں۔

اب وہ وقت آگیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے انکشافِ حقیقت کا جو طریقہ اختیار کیا تھا اس کا نتیجہ
آشکارا ہو جائے اور جس حقیقت کے اعتراف سے لوگوں کو انکار تھا وہ خود اُن ہی کے حلقوں سے اگلوالی جائے
اور دیکھو کیسے صاف اور قدرتی طریقے سے حضرت ابراہیم اپنی اس عملی اور وقوعی حجّت کا اعتراف کراتے ہیں
پجاریوں نے دکھاوے کے لیے بے خبر بن کر پوچھا: ءانت فعلت ھذا بالٰھتنا یا ابراھیم (۶۲)
کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ تو نے یہ حرکت کی ہے؟ اب اگر حضرت ابراہیمؑ انکے جواب میں کہتے۔ میں
تمہیں پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ ایسا کروں گا۔ اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے؟ تو انہیں ردوکد کرنے کا
موقع مل جاتا۔ مثلاً وہ عوام کے سامنے انکار کر دیتے کہ تم نے ایسا کبھی نہیں کہا تھا اور اس طرح اصل
مسئلہ کی جگہ ایک دوسری بات میں سوال وجواب ہونے لگتا۔ پس اُنہوں نے جواب میں حجت الزامی
کا ایسا طریقہ اختیار کیا کہ ردوکد کے سارے دروازے بند ہو گئے اور حقیقت آشکارا ہو گئی: بل
فعلہ کبیرھم ھذا، فاسئلوھم ان کانوا ینطقون (۶۳) بلکہ اس سب سے بڑے بت "شمس"
نے کیا ہے جس کے آگے تم ہمیشہ اپنے سوالات پیش کرتے رہتے ہو اور پھر کہتے ہو کہ اس کی پراسرار
صدائیں تمہیں (یعنے تم پجاریوں کو) سنائی دیتی ہیں، یہ ابھی زندہ سلامت موجود ہے۔ اگر فی الحقیقت
مورتیاں سوالوں کا جواب دیا کرتی ہیں تو اسی مورتی سے پوچھ لو، مجھ سے کیوں سوال کرتے ہو۔

یہ جواب سنتے ہی سب پر سناٹا چھا گیا۔ کیوں کہ اس کا انکے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ نہ تو یہ
کہہ سکتے تھے کہ مورتی سے اُمید جواب نہیں۔ نہ مورتی سے سوال ہی کر سکتے تھے، اُدھر عوام نتیجہ کے منتظر تھے
فرجعوا الی انفسھم "انفسھم" یعنے پجاریوں کی جماعت عوام سے الگ ہو کر آپس میں

باتیں کرنے لگی اور چوں کہ اب حضرت ابراہیم کا تیر ٹھیک نشانے پر لگ چکا تھا۔ اس لیے اُنہیں اقرار کرنا پڑا فقالوا انکم انتم الظالمون۔ بلاشبہ حق سے نافرمانی کرنے والے ہم ہی ہیں۔ ٹھیک بات تو وہی ہے جو ابراہیم کہہ رہا ہے۔ بالآخر مجبور ہوئے کہ جو بات حضرت ابراہیم ان سے کہلوانی چاہتے تھے وہ سر جھکا کر دی زبان سے کہدیں۔ لقد علمت ماھؤلاءِ ینطقون۔ " لقد علمت " یعنی یہ حقیقت تو تجھے معلوم ہی ہو چکی ہے کہ مورتیوں کی صداؤں اور مندر کے ہاتف غیبی کے جوابوں کا معاملہ وہ نہیں ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ مورتیاں بولا نہیں کرتیں۔ پھر تیرا یہ کہنا کہ بڑے بُت سے پوچھ کر فیصلہ کرو کیا معنی رکھتا ہے؟ تب حضرت ابراہیم نے تمام مجمع سے مخاطب ہو کر ندائے حق بلند کر دی۔ افتعبدون من دون اللہ مالا ینفعکم شیئًا ولا یضرکم؟ اُفٍ لکم ولما تعبدون من دون اللہ۔ افلا تعقلون؟ (۶۷) جب ان مورتیوں کے نطق والہام کے سارے قصے من گڑھت ہیں، اور ان کی عجز و درماندگی کا یہ حال ہے جو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، تو پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش پر جم گئے ہو؟ کیا اتنی موٹی بات بھی سمجھ نہیں سکتے؟

ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں کہ کالڈیا میں پجاریوں کی خاص جماعت پیدا ہو چکی تھی اور بت پرستی کی تاریخ میں اصلی کارفرما جماعت یہی رہی ہے۔ یہ لوگ عوام سے الگ ہو جاتے تھے، اور پھر عوام کو اپنے قبضہ واقتدار میں رکھنے کے لیے مندروں کی معجزانہ قوتیں برابر بڑھاتے رہتے تھے۔ چنانچہ مختلف طریقے کام میں لا کر لوگوں کو یقین دلاتے کہ مورتیاں بولتی ہیں۔ سوالوں کا جواب دیتی ہیں۔ نذرانے قبول کرتی ہیں۔ ہر طرح کے عجائب وخوارق شب و روز ان سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کا اصلی خطاب ان ہی پجاریوں سے تھا۔ وہ گھر کے بھیدی تھے۔ کیوں کہ خود ان کا چچا مندر کے پجاریوں میں سے تھا، اور اس طرح وہاں کے تمام حالات سے باخبر ہونے کا پورا موقعہ اُنہیں حاصل ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے چاہا، عوام کے سامنے حقیقت حال کا پجاریوں سے اعتراف کرائیں۔ اور اُنہوں نے اعتراف کرا کے چھوڑا۔ پس ان کے اس قول کا کہ " ان کانوا ینطقون " یہ مطلب سمجھنا چاہیئے کہ اگر مورتیوں کی پُراسرار نداؤں کی وہ بات ٹھیک ہے جس کا تم عوام کو یقین دلاتے رہتے ہو تو اس بڑے بُت سے ندائے حق کا مطالبہ کرو۔ اور اگر یہ ہمیشہ تمہارے سوالوں کا جواب دیتا ہے تو آج کیوں نہ دے؟

اور ایسے موقع پر کیوں نہ دے، جب تمام مندر تہہ و بالا ہوگیا ہے؟ یعنے یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر بت عام طور طور پر نطق و کلام کرتے ہیں تو ان سے بات کرالو۔ کیونکہ بتوں کا عام طور پر آدمیوں کی طرح بات نہ کرنا تو عام طور پر مسلم تھا۔ کوئی بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتا تھا کہ یہ ہماری طرح بولتے چالتے ہیں۔

حضرت ابراہیم کی یہ بات عوام کے دلوں میں قطعاً اتر گئی ہوگی۔ ہر شخص بول اُٹھا ہوگا کہ بات ٹھیک کہہ رہا ہے۔ بڑی مورتی سے اس حادثہ میں کیوں نہ رجوع کیا جائے۔

لیکن جب حضرت ابراہیم نے مجمع عام میں بت پرستی کے خلاف وعظ کہنا شروع کردیا تو پجاری ڈرے اور اُنہوں نے چاہا، عوام کی بُت پرستانہ جذبات بھڑکا کر اپنا کام نکالیں اُنہوں نے کہا: احرقوہ وانصروا الھتکم ان کنتم فاعلین۔ اسے زندہ آگ میں جلادو۔ کیوں کہ تمام قدیم قوموں میں دستور تھا کہ کہ مذہبی اور سیاسی مجرموں کو زندہ جلا دینے کی سزا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ کالڈیا میں آخری زمانے تک یہی دستور رہا۔ کتاب دانیال سے معلوم ہوتا ہے کہ کالدیوں نے ان یہودیوں کو زندہ جلا دینا چاہا تھا۔ جنہوں نے بادشاہ کی معبودیت سے انکار کردیا تھا۔

اب غور کرو اس تمام سرگزشت میں کونسی بات ایسی ہے جس سے حضرت ابراہیم کا جھوٹ بولنا نکلتا ہو؟ بتوں کو اُنہوں نے کچھ چوری چھپے نہیں توڑا تھا کہ خلاف واقعہ بات کہہ کے اسے چھپانا چاہتے۔ تمام پجاریوں کے سامنے صاف صاف اعلان کردیا تھا اور اعلان بھی اس تاکید کے ساتھ کہ "تاللہ لاکیدن اصنامکم!" خدا کی قسم! میں ضرور تمہارے بتوں کو اپنے داؤ کا نشانہ بناؤں گا۔ پھر جو بات اس طرح صاف صاف کہہ دی گئی ہو اور علانیہ کی گئی ہو، اس میں جھوٹ بولنے کی بات کہاں سے نکل آئی؛ باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ بل فعلہ کبیرھم ھذا تو ظاہر ہے کہ ایک لمحہ کے لیے اس سے مقصود انکار فعل نہیں ہوسکتا کیوں کہ فعل کا تو وہ پہلے سے اعلان کرچکے تھے، اور خود پوچھنے والوں میں ایک ایک فرد جانتا تھا کہ انہی کا کیا دھرا ہے۔ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ محض حجت الزامی تھی۔ اور حجت الزامی کا وہ طریقہ جسے ہمارے مناظر "فرض ابطال مع الخصم حتی تلزمہ الحجۃ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ صدق و کذب کا سوال یہاں کیوں کر پیدا ہوسکتا ہے۔

چوں کہ ہمارے مفسروں کے سامنے ایک روایت موجود تھی۔ اور اس کی تعمیل میں ضروری سمجھتے تھے

کہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ کی بات بن جائے۔ اس لیے انہوں نے کوشش کی کہ جو بات قرآن میں نہیں ہے وہ محذوف بنا کر بڑھا دی جائے۔ چنانچہ وہ حضرت ابراہیم کے قول تاللہ لاکیدن اصنامکم کو سلسلۂ بیان سے الگ کر لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں، یہ بات انہوں نے مخاطبوں سے نہیں کہی تھی۔ اپنے جی میں کہی تھی۔ یعنے ان کا اعلان نہ تھا۔ جی ہی جی میں ایک سازش سوچی تھی۔ لیکن یہ محض رائے سے قرآن کو مطالب میں اضافہ کرنا ہے۔ قرآن میں یہ کہیں نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے جی میں کہا تھا وہ تو صاف صاف کہہ رہا ہے کہ موقعہ مخاطبہ اور مکالمہ کا تھا اور جب پجاریوں نے یہ بات کہی کہ اجئتنا بالحق ام انت من اللاعبین؟ تو اس کے جواب میں حضرت ابراہیم نے اعلان کیا علاوہ بریں اس طرح کے محذوفات جب ہی تسلیم کیے جا سکتے ہیں جب کوئی قطعی قرینہ موجود ہو۔ یہاں بجز اس ضرورت کے کہ حضرت ابراہیم کو کذب گو بنایا جائے، اور کونسی ضرورت لاحق ہو گئی ہے کہ یہ محذوف گڑھ لیا گیا؟

باقی رہی صحیحین کی روایت کہ لم یکذب ابراھیم فی شیئ قط الا ثلاث کلھن فی اللہ۔ الخ۔ تو اگرچہ اس کی توجیہہ و تاویل کی بہت سی راہیں لوگوں نے کھول لی ہیں۔ مگر صاف بات وہی ہے جو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہے اور جسے امام رازی نے بھی دُہرایا ہے۔ یعنے ہمارے لیے یہ تسلیم کر لینا نہایت آسان ہو کہ ایک غیر معصوم راوی سے فہم و تعبیر حدیث میں غلطی ہو گئی، بہ مقابلہ اس کے کہ ایک معصوم اور برگزیدہ پیغمبر کو جھوٹا تسلیم کرلیں! اگر ایک راوی کی جگہ سینکڑوں راویوں کی روایت بھی ناقص ٹھہر جائے تو بہرحال غیر معصوم انسانوں کی غلطی ہوگی۔ لیکن اگر ایک معصوم پیغمبر کو بھی غلط بیان تسلیم کر لیا گیا تو نبوت و وحی کی ساری عمارت درہم برہم ہو گئی!

بلاشبہ روایت صحیحین کی ہے۔ لیکن اس تیرہ سو برس کے اندر کسی مسلمان نے بھی راویانِ حدیث کی عصمت کا دعوےٰ نہیں کیا ہے۔ نہ امام بخاری و مسلم کو معصوم تسلیم کیا ہے۔ کسی روایت کے لیے بڑی سے بڑی بات جو کہی گئی ہے، وہ اس کی "صحت" ہے "عصمت" نہیں ہے۔ اور "صحت" سے مقصود صحت مصطلحہ فن ہے۔ نہ کہ صحت قطعی و یقینی مثل صحتِ قرآن پس ایک روایت پر صحت کی کتنی ہی مہریں لگ چکی ہوں لیکن بہرحال غیر معصوم انسانوں کی ایک شہادت اور غیر معصوم ناقدوں کا ایک فیصلہ ہے۔ ایسا فیصلہ ہر بات کے

لیے مفید حجت ہو سکتا ہے، مگر یقینیات و قطعیات کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ جب کبھی ایسا ہوگا کہ کسی راوی کی شہادت یقینیات قطعیہ سے معارض ہو جائے گی تو یقینیات اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے۔ غیر معصوم کو اپنی جگہ چھوڑنی پڑے گی۔

نبی کا سب سے بڑا وصف جو قرآن نے بتلایا ہے وہ اس کی سچائی ہو اور احتیاج تفصیل نہیں۔ نبوت ایک سیرت ہے جو صرف سچائی ہی سے بنتی ہے، اور صرف سچائی ہی کے سانچے میں ڈھل سکتی ہے۔ ایک نبی کسی بات سے عاجز نہیں ہوتا، مگر اس بات سے کہ سچ نہ بولے۔ حقیقت اور سچائی کے خلاف جو کچھ ہے خواہ کسی شکل اور کسی درجے میں ہو نبوت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ اگر نبوت ہوگی تو سچائی بھی ہوگی، اگر سچائی نہیں ہے تو نبوت بھی نہیں۔ پس انبیاء کرام کی سچائی اور عصمت یقینیات دینیہ و نقلیہ میں سے ہے۔ روایات کی قسموں میں سے کتنی ہی بہتر قسم کی کوئی روایت ہو۔ بہرحال ایک غیر معصوم راوی کی شہادت سے زیادہ نہیں اور غیر معصوم کی شہادت ایک لمحہ کے لیے بھی یقینیات دینیہ کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ ہمیں ماننا پڑے گا کہ یہ اللہ کے رسول کا قول نہیں ہو سکتا۔ یقیناً یہاں راویوں سے غلطی ہوئی ہے۔ اور ایسا مان لینے سے نہ تو آسمان پھٹ پڑے گا اور نہ زمین شق ہو جائے گی۔"

ترجمان القرآن جلد دوم ص ۴۹۵-۵۰۰

ان الفاظ پر پھر غور فرمائیے کہ "روایات کی قسموں میں سے کتنی ہی بہتر قسم کی کوئی روایت ہو۔ بہرحال ایک غیر معصوم راوی کی شہادت سے زیادہ نہیں اور غیر معصوم کی شہادت ایک لمحہ کے لیے بھی یقینیات دینیہ کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کی جا سکتی۔"

مقام سوم۔ یعنی حضرت ابراہیم نے فرمایا تھا کہ انی سقیم۔ میں بیمار ہوں۔ اس کے متعلق جناب ابوالکلام صاحب آزاد فرماتے ہیں:۔

اس روایت میں حضرت ابراہیم کی تین باتوں کو "کذب" سے تعبیر کیا ہے، ایک تو یہی بات، دوسری وہ جو سورۂ صافات میں ہے: فقال انی سقیم (۳۷: ۸۹) تیسری یہ کہ اُنہوں نے بادشاہ مصر کے آگے اپنی بیوی سارہ کو بہن کہا تھا۔ آخری بات قرآن میں کہیں نہیں ہے۔ تورات میں ہے، اور ہم اس کے موجودہ نسخے کی

صحت کے ذمے دار نہیں ۔ باقی رہا " انی سقیم " والا قول تو اس کی شرح صافات میں ملے گی ۔ یہاں اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ اس کا کوئی مطلب بھی ٹھہرایا جائے، لیکن اس میں جھوٹ کا پہلو کہاں سے نکل آیا؟ ایک شخص نے کہا میں سقیم ہوں ۔ پھر کیوں اسے جھوٹ پر محمول کیا جائے؟" (ترجمان القرآن جلد دوم ص۵۰)

یہ ہے برادران! وہ مقاماتِ قرآنی جن سے ہمارے محدث صاحب اور ان کے ہم مسلک حضرات یہ ثابت کرتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) حضرت ابراہیم نے جھوٹ بولا تھا ۔ اور یہ سب مذموم کوشش اسلیے کہ بخاری شریف کی حدیث پر زد نہ پڑ جائے ۔ اب فرمایئے کہ یہ اگر شخصیت پرستی نہیں تو اور کیا ہے! ہمارا جرم یہ ہے کہ ہم حضرت ابراہیمؑ کو سچا کہتے ہیں ۔ اُن حضرت ابراہیمؑ کو جن کے متعلق خود خدا کی گواہی موجود ہے۔ کہ انہ کان صدیقا نبیا ۔ ۱۹/۴۱ ۔ یقیناً وہ مجسم سچائی تھا اور اللہ کا نبی ۔ پھر کہا یہ جاتا ہے، کہ حضرت ابراہیمؑ کے جھوٹ حقیقت میں جھوٹ نہیں تھے ۔ بلکہ " ذومعنی کلام " تھا جس کا " ظاہر اور متبادر مفہوم " کذب کا تھا ۔ اور اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بیوی حضرت سارہؓ کی متعلق فرمایا، کہ یہ میری بہن ہے ۔ تو " ان کی غرض دینی بہن تھی ۔ انما المؤمنون اخوۃ ۔ بلکہ کتب سابقہ سے وہ انکی چچیری بہن بھی معلوم ہوتی ہیں " (مذکورہ پمفلٹ)

آپ نے غور فرمایا! یہ ایک نبیؑ کے متعلق باتیں ہو رہی ہیں ۔ اور نبیؑ بھی وہ جو امتِ موحدہ کا مؤسس اولیٰ علیہ السلام ہے۔ جسے خدا صدیق کہتا ہے ۔ وہ نبیؑ اپنی بیوی کو بہن بتاتے ہیں ۔ اور اس کی توجیہہ یہ ہے کہ وہ ان کی دینی بہن تھیں ۔ یا چچیری بہن تھیں ۔ نہ معلوم ان حضرات کو یہ توجیہہ کیوں نہ سوجھی کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ دونوں حضرت آدم کی اولاد تھے ۔ اس لیے بھائی بہن تھے!

ہم یہ لکھ رہے ہیں ۔ اور ندامت سے ہماری نگاہیں زمین میں گڑ رہی ہیں ۔ کہ یہ وہ چیزیں ہیں جسے دین قرار دیا جاتا ہے ۔ سوچیے کہ یہ دین ہے یا (خاکم بدہن) دین سے استہزا ہے! قرآن کریم میں ارشاد ہے، کہ لوگ حقائق کو چھوڑ کر افسانوں میں اس لیے اُلجھ جاتے ہیں لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا ۔ ۳۱/۶ ۔ تاکہ لوگوں کو بلا علم اللہ کے راہ سے بھٹکا دیں اور خدا کے دین (سبیل اللہ) سے استہزا کیا جائے ۔ فرمایئے کہ حضرت سارہؓ کو حضرت ابراہیمؑ کی بہن قرار دینے کی توجیہہ اگر (پناہ بخدا) دین

سے استہزار نہیں تو اور کیا ہے۔!

پھر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ باتیں حضرت ابراہیم نے دین کی بھلائی کے لیے کی تھیں۔ چنانچہ "ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے ان تینوں کلمات میں سے ایک بھی ایسا نہیں۔ جس سے حکمت عملی کے ساتھ دین اللہ کی بھلائی مقصود نہ ہو" (بحوالہ تفسیر ابن کثیر۔ سورہ الصافات)

دیکھا آپ نے ایک غلطی کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کس قدر اور غلطیاں کرنی پڑتی ہیں۔ پہلے ایک غلط بات نبی اکرم ؐ کی طرف منسوب ہوگئی کہ حضرت ابراہیم نے جھوٹ بولا تھا۔ اس کے بعد جب دیکھا کہ اس سے تو اپنے آپ پر زد پڑتی ہے۔ تو ایک اور بات حضور کی طرف منسوب کردی گئی۔ کہ دین کی بھلائی کے لیے اس قسم کی حکمت عملی اختیار کرنا جس میں بہ ظاہر جھوٹ بولنا ہو۔ کوئی بُری بات نہیں لیکن خود بخاری شریف میں یہ حدیث موجود ہے کہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوما بلحم فقال ان اللہ یجمع یوم القیامۃ الاولین والآخرین فی صعید واحد فیسمعھم الداعی وینفذھم البصر وتدنو الشمس منھم فذکر حدیث الشفاعۃ فیأتون ابراھیم فیقولون انت نبی اللہ وخلیلہ من الارض اشفع لنا الی ربک فیقول فذکر کذباتہ نفسی نفسی اذھبوا الی موسیٰ۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں ایک روز حضور کی خدمت میں کچھ گوشت پیش کیا گیا آپ نے فرمایا کہ خدا اگلے پچھلے سب لوگوں کو ایک میدان میں قیامت کے دن جمع کرے گا۔ اس وقت بلانے والے کا کلام ہر شخص سنے گا اور ہر شخص تمام مجمع کو دیکھ سکے گا۔ آفتاب بہت قریب آجائے گا۔ اس کے بعد حضور نے شفاعت کے متعلق حدیث بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ کہ لوگ حضرت ابراہیم ؑ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے آپ خدا کی نبی ہیں۔ تمام ساکنان زمین سے آپ ہی اس کے خلیل ہیں۔ خدائے تعالیٰ سے ہماری سفارش کردیجیے۔ حضرت ابراہیم اپنے جھوٹے کلاموں کو یاد کریں گے۔ اور کہیں گے آج مجھے اپنی پڑی ہے۔ تم موسیٰ ؑ کے پاس جاؤ۔ (بخاری شریف جلد دوم مطبوعہ ازہر صفحہ ۱۴۶)

اگر یہ جھوٹ دین کی بھلائی کے لیے تھے اور ان میں کوئی برائی نہ تھی۔ تو پھر اس پر ایسی ندامت کیوں کہ جس سے اسی دنیا کی زندگی میں ہی نہیں بلکہ قیامت میں بھی نگاہیں جھکی رہیں۔ اور پھر یہ بھی سوچیئے کہ اگر "دین کی بھلائی" کے لیے بطور حکمت عملی اس قسم کا جھوٹ بولنا جائز۔ بلکہ (معاذاللہ) اسوۂ انبیاء کرام ہے۔ تو پھر شیعہ حضرات کے تقیہ پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اور اس پر بھی غور فرمایئے کہ اپنی زوجۂ محترمہ کو بہن ظاہر کرنا اس میں دین کی کونسی بھلائی تھی!! اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان تمام باتوں کو آپ "کذب" قرار دیتے ہیں۔ اگر یہ کذب تھے تو قرآنِ کریم نے انہیں کذب کیوں نہ کہا۔ قرآن کریم شہادت دے رہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ صداقت کے مجسمہ تھے (صدیقاً نبیّا)۔ اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ نہیں! حضرت ابراہیمؑ نے ضرور جھوٹ بولا تھا (معاذاللہ۔ معاذاللہ)

برادران! اب آپ غور فرمایئے کہ کیا ایسی چیزیں دین بن سکتی ہیں۔ یہ حدیث بخاری شریف میں ہے صحاح کے دیگر مجموعوں میں بھی ہے۔ سب اُسے صحیح مانتے ہیں۔ دعوٰے یہ ہے کہ احادیث قرآنِ کریم کے خلاف نہیں جاتیں۔ یہ حدیث بھی آپ کے سامنے ہے اور قرآن کریم بھی۔ آپ خود فیصلہ فرمالیجیے کہ دین کونسی چیز ہے اور شخصیت پرستی کسے کہتے ہیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

طلوع اسلام

کے

شائع کردہ پمفلٹوں کا

سٹ

گزشتہ دو سال میں سیاست ہندیہ میں مسلمانوں سے متعلق کون کون سے اہم مسائل پیدا ہوئے اور اہل الرائے حضرات نے انھیں کتاب و سنت کی روشنی میں کس طرح دیکھا؟

اگر

آپ اپنے طور پر معلوم کرنا چاہیں تو آپ کو وقت ہو گی

لیکن

اگر آپ ہم سے دریافت کریں تو ہم بڑی آسانی سے آپ کو بتا سکیں گے۔ اس لئے کہ یہ سب کچھ ان پمفلٹوں میں موجود ہے جو اس دوران میں طلوع اسلام کی طرف سے شائع کئے جاتے رہے ہیں اور جو ہزاروں کی تعداد میں ملک میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ یہ پمفلٹس نہ صرف سیاست بلکہ دین کے اور شعبوں سے متعلق اہم مسائل پر بھی معلومات کا عمدہ ذخیرہ اپنے اندر رکھتے ہیں

سٹ میں حسب ذیل پمفلٹ موجود ہیں

(۱) واردھا اسکیم اور مسلمان — ۴۴ صفحات ۲ر
(۲) سوراجی مسلمان — ۳۴ صفحات ۲ر
(۳) زبان کا مسئلہ — ۳۶ صفحات ۲ر
(۴) خدا کی بادشاہت — ۲۸ صفحات ۲ر
(۵) اسلام اور مذہبی رواداری — ۲۲ صفحات ۲ر
(۶) متحدہ قومیت اور مولانا حسین احمد مدنی — ۶۲ صفحات ۲ر
(۷) عرضداشت بخدمت علمائے کرام — ۲۴ صفحات ۱ر
(۸) اشتراکیت اور اسلام — ۸۰ صفحات ۳ر
(۹) مسلمان کی زندگی — ۲۲ صفحات ۲ر
(۱۰) کانگریس بے نقاب — ۲۶ صفحات ۲ر
(۱۱) راشٹرپتی ابو الکلام آزاد — ۳۶ صفحات ۲ر
(۱۲) شخصیت پرستی — ۵۲ صفحات ۲ر
(۱۳) علم حدیث — ۴۲ صفحات ۲ر
(۱۴) جہان نو — ۸۰ صفحات ۴ر

<u>یعنی</u> ۵۰۸ صفحات کا مجموعہ عـہ ایک روپیہ چودہ آنے (۱۴/۱) میں (علاوہ محصول ڈاک)

ناظم: ادارہ طلوع اسلام۔ شمیم منزل۔ شیدی پورہ۔ قرولباغ دہلی

اسلامی معاشرت

نقش ثانی

از جناب پرویز صاحب

دیکھنے کو تو یہ ایک چھوٹا سا پمفلٹ ہے لیکن افادی حیثیت سے بڑی بڑی تصانیف پر بھاری ہے مسلمان کی روزمرّہ کی زندگی کس قسم کی ہونی چاہیئے۔ اس کا ماحول کیسا ہونا چاہیئے۔ اس کی عادات واخلاق کا خاکہ۔ اس کے رہنے سہنے کا ڈھنگ۔ اس کے تمدّن ومعاشرت کے خط وخال۔ اس تعلیم وتہذیب۔ اس کے دنیائی معاملات۔ اپنوں اور بیگانوں سے اس کے تعلّقات۔ غرض کہ اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر انداز واسلوب قرآنی آئینہ میں کیسا ہونا چاہیئے۔ اِس چھوٹے سے پمفلٹ میں یہ سب کچھ آگیا ہے اور اس قدر سادہ اور دل نشین پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر بات سیدھی دل میں اتر جاتی ہے اور لطف یہ کہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا گیا بلکہ ہر چیز قرآن کریم کی چھوٹی چھوٹی آیات میں بیان کی گئی ہے بچوں کے لیے یہ پمفلٹ بہت ہی مفید ہے۔ اسلامی مدارس میں بطور نصاب کے داخل کر لیا جائے تو طلباء کے قلب ودماغ کی تعمیر صحیح اسلامی بنیادوں پر ہو جائے۔ قیمت ۴ر۔ محصول ۱ر +

ادارۂ طلوعِ اسلام۔ دہلی

اطاعتِ امیر

(گذشتہ سے پیوستہ)

"مبصر"

باب دوم

فرد را ربط جماعت رحمت است　　جوہر او را کمال از ملت است
فرد می یابد ز ملت احترام　　ملت از افراد می گیرد نظام
فرد تا اندر جماعت گم شود　　قطرۂ وسعت طلب قلزم شود

(اقبال رح)

قیامِ جماعت

باب اول میں "ختم نبوت کی حکمت" اور ضمنی عنوانات کے ماتحت جو گزارشات پیش کی گئی ہیں اُن کا مقصود اس حقیقت کو واضح کرکے دکھانا تھا کہ اسلام انفرادیت کا قائل نہیں بلکہ اجتماعیت کی تعمیر اور تحفظ کے لئے ہے۔ جماعت اور اسلام سیاست اور مذہب۔ سلطنت اور دین لازم و ملزوم ہیں۔ ایک شے جسم ہے تو دوسری روح ایک کا تصور دوسرے کے بغیر نامکمل ہے۔ جہاں یہ دونوں علیحدہ ہوئے۔ دین دین نہیں اور سیاست سیاست نہیں ہے اس لئے کہ

ایں دو قوت حافظ یکدیگر اند

دین و سیاست کی تفریق پر جس جہت سے بھی غور کیجئے گا اس میں خامی ہی خامی نظر آئے گی۔ اسی تفریق یا صحیح الفاظ میں انسانی حیات کی اس بے دردانہ قطع و برید کی تدبیر، دین اور سیاست

کا وہ ظلمت انگیز اور دل افگن تصور ہے جو دین محمدؐ (فداہ ابی وامی) کے علاوہ قریباً دنیا کے تمام قابل ذکر مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً اس مذہب اور سیاست کو لیجئے جو کلیساؤں اور یورپی شہنشاہیوں کے زیر سایہ پروان چڑھے۔ دین چند پرائیویٹ عقائد و رسوم کا نام ہے جن کا عملی اور اجتماعی زندگی پر کوئی مفید اثر نہیں۔ دین زندگی کا ایک ضمیمہ ہے اور بس۔ کارزار حیات میں اسکی حیثیت (CAMP - FOLLOWER) سے زیادہ کچھ نہیں۔ زندگی کے زندہ ہنگاموں کے لئے اس میں کوئی اثبات نہیں کوئی تاکید (EMPHASIS) نہیں۔ دنیا کے بکھیڑوں اور الجھیڑوں سے چھٹکارا حاصل کر کے ایک تنگ و تاریک گوشہ میں گردن جھکا کر آنکھیں میچ لینے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ آرزوؤں کی دنیا کو برباد کر دینا۔ امنگوں کی بستی کو اجاڑ دینا۔ تمناؤں کے چمن کو ویرانہ بنا دینا ہی نیکی ہے۔ ہر ممکن طریق سے نفس کو مار دینا یعنی بتدریج خودکشی (SELF MORTIFICATION) ہی روحانی ترقی کا ذریعہ ہے۔ یہ منفیاتی کوشش یہ استہلاک، "آسمانی بادشاہت" کی طرف پرواز ہے! جتنا آسمان زمین سے دور ہے اتنی ہی "آسمانی بادشاہت" زمین کے ہنگاموں سے دور ہے۔ لہٰذا اس آسمانی بادشاہت کے لئے "زمینی بادشاہت" کو چھوڑ دینا ہی پہلی شرط ہے ؎

شرط اول قدم آنست کہ راہب باشی!

مختصراً یہ تھا مذہب کا تصور جو عیسائی تعلیمات نے لوگوں میں پیدا کیا۔ باب اول کی ابتدا میں عرض کیا گیا تھا کہ انسان احسن التقویم ہے۔ تسخیر کائنات اس کی فطرت ہے۔ زندگی میں زندگی کی آرزو اس کا حق ہے۔ انسانیت کے تقاضوں کو کوئی قوت نہیں دبا سکتی۔ رہبانیت کے سرد پنجے میں سسکنے والی عیسائی دنیا صدیوں کی گہری نیند کے بعد بیدار ہوئی تو اس کو اپنے دین پر "نظر ثانی" کی ضرورت بری طرح محسوس ہوئی۔ مارٹن لوتھر کی تحریک جس کے بعد یورپ کی نشاۃ ثانیہ (RENAISSANCE) شروع ہوتی ہے اس مرگ آسا اور خواب آلود مذہب کے خلاف پہلی اور کامیاب بغاوت تھی۔ عیسائی دنیا کے ایک

گوشے سے لے کر دوسرے تک اصلاح وتجدد کی لہر دوڑ گئی۔ لیکن اس ریس کے گھوڑوں کو مادیت نے وہ زوردار ایڑی لگائی کہ توسط و اعتدال کی تمام جائز حدود پھاند گئے۔ سائنٹفک ترقیات اور صنعتی انقلاب کے پروردہ یورپ نے طے کر لیا کہ "مذہب" انسان کی راہ حیات کا سب سے بڑا روڑا ہے جس کو ایک طرف لڑھکا دینے ہی میں نجات ہے۔ جدید افکار کی تندو رو، تعقل (RATIONALISM) کے بڑھتے ہوئے سیلاب اور مادیت کی اٹھتی ہوئی آندھی میں رہبانی مذہب نے کسی جائے پناہ کی تلاش کی۔ نئی سحر طلوع ہو چکی تھی۔ ہر چیز آنکھیں مل مل کر بیدار ہو رہی تھی۔ پناہ کہاں ملتی! شہنشاہی ہوس رانی نے دیکھا کہ ظلم وستم جب تک مذہب کے نام پر نہ ہو کامیاب نہیں ہو سکتا۔ مذہب نے بھی محسوس کیا کہ مستبد سلاطین وملوک کے ایوانوں کے علاوہ اور کوئی مامن وملجا نہیں مل سکتا۔ چنانچہ روما اور یونان کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہاں "دین" و "سلطنت" میں مداہنت (TOLERANCE) اور مفاہمت (COM-PROMISE) کا رنگ زیادہ گہرا تھا۔ عیسائی دین وسیاست کی یہ باہمی سرپرستی رگِ انسانیت کے لئے دودھارا خنجر ثابت ہوئی۔ مرے کو مارے شاہ مدار۔ کچھ تو "مذہب" نے زندگی کو زندگی سے محروم کر دیا تھا جو رہا سہا کام تھا وہ ملوکی جور واستبداد نے تمام کر دیا۔ سولھویں اور سترھویں صدی کی تاریخ کا ورق ورق اس پر شاہد ہے۔ ۱۷۸۹ء کا فرانسیسی انقلاب اور ۱۹۱۷ء میں روس کا خونی سیلاب اسی ستم پروری ملی بھگت کا ردعمل تھا۔ سلطنت نے پھر ایک بار مذہب سے پیچھا چھڑایا۔ "دین" و "سیاست" کے دائرے الگ کر دئیے گئے۔ ایک طرف نمرودی شان وشوکت۔ فرعونی جاہ وجلال۔ اجتماعی غارت گری۔ استعماری لوٹ مار، لاعلاج جوع الارض اور ابلیسی حیلہ سازی سے "سیاست" کا قوام بنایا گیا۔ دوسری طرف مسکینی و دلگیری۔ مظلومی وتخچیری۔ نامرادی وبربادی۔ تباہی وجاں کاہی کو "دین" سے موسوم کیا گیا!

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی — سماتی کہاں اس فقیری میں میری
خصومت تھی سلطانی و راہبی میں — کہ وہ سربلندی ہے یہ سربزیری

سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا ۔۔۔ چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری
ہوئی دین و ملت میں جب دم جدائی
ہوس کی امیری ہوس کی وزیری!

لیکن

یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشین کا ۔۔۔ بشیری ہے آئینہ دار نذیری

عالم انسانی کے غم گسار طبیب نے نہ صرف یہ کہ اُس کی ظاہر و باطن بیماریوں کی تشخیص کرکے نسخہ تجویز فرمایا بلکہ صحت و تومندی کے ساتھ زندہ رکھنے کے لئے احتیاطی تدبیر بھی بتلا دی۔ یہ تدبیر ایک مرکز۔ ایک امیر اور ایک جماعت ہے۔ ایک خدا۔ ایک خاتم النبین۔ ایک حرم۔ ایک ام الکتاب۔ ایک کلمہ۔ ایک ہی طرز نماز اور نماز میں صف بندی، یہ سارا ساز و سامان اس ایک جماعت کو بیدار کرنے اور زندہ رکھنے کے لئے ہے۔ اسلام صرف معتقدات ہی کا نام نہیں جو صرف غار و کوہ کے ظلمت افزا۔ سکوں ریز اور جمود پرور ماحول کے لئے تجویز کئے گئے ہوں۔ یہ اعتقادات زندوں کی زندہ دنیا کے زندہ ہنگاموں کی تربیت اور اصلاح کے لئے ہیں جو ان کو صحیح و صالح بنا کر ان میں روشنی اور گرمی پیدا کرتے ہیں۔ الغرض اسلام اور انفرادیت دو متضاد چیزیں ہیں۔ قرآن کریم کے نزدیک جماعت ہی ایمان باللہ اور توحید کا عملی مظاہرہ ہے۔ تفرقہ پسند اور حبل اللہ سے الگ ہو جانے والوں کو مشرک قرار دیا گیا ہے۔ اور مشرک کے لئے قرآن کا لب و لہجہ جتنا قہر آلود ہے ظاہر ہے۔ ایک جہانگیر و جہاں آرا جماعت کے بغیر مسلمان اور اسلام کا وجود ہی ناقابل فہم ہے ؎

از یک آئینی مسلمان زندہ است ۔۔۔ پیکر ملت ز قرآں زندہ است
ما ہمہ خاک و دل آگاہ اوست ۔۔۔ اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست
چوں گہر در رشتۂ اُو سفتہ شو ۔۔۔ ورنہ مانند غبار آشفتہ شو

اس جماعت کی نوعیت

اب تک مختلف پیرایوں سے عرض کیا گیا ہے کہ اسلام اجتماعیت کا علمبردار ہے۔ یہاں اس چیز پر غور کرنا ہے کہ یہ جمعیت کس قسم کی ہے؟ اسلام سے قبل بھی بہت سی جمعیتیں وجود میں آچکی ہیں۔ اگر اسلام بھی جمعیت پر زور دیتا ہے تو پھر وہ مابہ الامتیاز کیا ہے جس کی سفارش پر اور سارے گروہ ٹوٹ کر اسی ایک میں ضم ہوں۔ وہ بنیاد کیا ہے جس پر اسلام اپنے متعلق لیظھرہ علی الدین کلہ کا دعویٰ کرتا ہے؟

اسلام سے قبل اور بعد جتنی بھی غیر اسلامی جمعیتیں وجود میں آئیں وہ ملک، نسل، رنگ، زبان اور جغرافیائی حدود و ثغور کی گروہ بندیاں تھیں۔ انسانوں کو انسانوں پر حاوی کر دینے۔ انسانوں کو انسانوں سے جدا کر کے متخاصم فرقوں میں تقسیم کرنے والی تھیں۔ حکیم الامۃ حضرت علامہ اقبال (نور اللہ مرقدہٗ) نے مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے اس ایڈیشن، پر کہ "قومیں" اوطان سے بنتی ہیں" جس تفصیل اور بصیرت سے قرآنی نقطۂ نگاہ کو واضح فرمایا ہے رہتی دنیا تک چراغ ہدایت کا کام دے گی:-

"نبوت محمدیہ کی غایت الغایات یہ ہے کہ ایک ہیئت اجتماعیہ انسانیہ تعمیر کی جائے جس کی تشکیل اس قانونِ الٰہی کے تابع ہو جو نبوت محمدیہ کو بارگاہِ الٰہی سے عطا ہوا تھا یا بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ بنی نوع انسان کی اقوام کو باوجود شعوب و قبائل اور الوان والسنہ کے اختلافات کو تسلیم کر لینے کے ان تمام آلودگیوں سے منزّہ کیا جائے۔ جو زمان و مکان۔ وطن و قوم۔ نسل و نسب۔ ملک وغیرہ کے ناموں سے موسوم کی جاتی ہیں اور اس طرح اس پیکرِ خاکی کو وہ ملکوتی تخیل عطا کیا جائے جو اپنے وقت کے ہر لحظہ میں ابدیّت سے ہم کنار ہے۔ یہ ہے مقام محمدی۔ یہ ہے نصب العین ملّتِ اسلامیہ۔ اس کی بلندیوں تک پہنچنے کے لئے معلوم نہیں حضرت انسان کو کتنی صدیاں لگیں گی مگر اس میں شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ اقوام عالم کی باہمی مغائرت دور کرنے میں اور باوجود شعوبی۔ قبائلی۔ نسلی۔ لونی اور لسانی امتیازات کے ان کو یک

رنگ کرنے میں جو کام اسلام نے کیا ہے وہ دوسرے ادیان سے تین ہزار سال میں بھی نہیں ہو سکا" . . . .

. . . . " انسانی تاریخ پر نظر ڈالو۔ ایک لامتناہی سلسلہ ہے باہم آویزیوں کا۔ خوں ریزیوں کا۔ خانہ جنگیوں کا۔ کیا ان حالات میں عالم بشری میں ایک ایسی اُمت قائم ہو سکتی ہے جس کی اجتماعی زندگی امن و سلامتی پر موسس ہو۔ قرآن کا جواب ہے کہ ہاں ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ توحید الٰہی کو انسانی فکر و عمل میں حسب منشائے الٰہی مشہود کرنا انسان کا نصب العین قرار پائے۔ ایسے نصب العین کی تلاش اور اس کا قیام سیاسی تدبر کا کرشمہ نہ سمجھئے بلکہ یہ رحمت اللعالمین کی ایک شان ہے کہ اقوام بشری کے تمام خود ساختہ تفوقوں اور فضیلتوں سے پاک کر کے ایک ایسی اُمت کی تخلیق کی جائے جس کو اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّكَ کہہ سکیں اور اس کے فکر و عمل پر شھداء علی النّاس کا خدائی ارشاد صادق آسکے"۔

قیام جماعت کی شدید تاکید

یہ ہے چند نپے تلے الفاظ میں وہ جمعیت جس کو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے اسی جماعت کو اسلام تسلیم کرتا ہے باقی جو کچھ ہے "الکفر ملۃ واحدۃ" کے زمرے میں آجاتا ہے۔ یا انسان "ملت اسلامیہ" میں ہو سکتا ہے۔ یا "ملت کافرہ" میں۔ ملت اسلامیہ وہ ہے جس کا خاکہ حکیم مشرقؒ نے پیش کیا۔ جو جماعت اس معیار پر پوری نہیں اُترتی غیر اسلامی ہے۔ اول الذکر جماعت کا نام اللہ نے اپنی جماعت ——— حزب اللہ ——— قرار دیا۔ ثانی الذکر کو حزب الشیطان کے نام سے موسوم فرمایا۔ ایمان باللہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ ایمان لانے والا اور سب طرف سے منہ موڑ کر صرف اللہ کی جماعت میں شریک ہو۔ اور اللہ کی جماعت وہی ہے جو قرآن کریم کی روشنی میں مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کر کے زندہ پائندہ۔ سربلند و سرفراز اور غالب رکھ سکے۔ ایمان اور بے مرکزی متطابق نہیں ہو سکتے مومن جماعت پیدا کرنے اور جماعت سے وابستہ رہنے پر بحکم خدا مجبور ہے۔ اگر وہ یہ نہیں کر سکتا

تو پھر ایمان کی حقیقت معلوم ! پھر جماعت بھی وہ جماعت جس کی بنیاد خالص توحید پر ہو۔ اسی جماعت کے لئے غلبہ ہے۔ الا ان حزب اللہ ھم الغالبون۔ یہی وہ حصار ہے جس میں امن و سلامتی کی فضا ہے۔ مؤمن کو اسی حصار میں پناہ لینے کی تاکید کی گئی ہے۔ جو اس حصار سے باہر ہے اس کو شیطان کے نقش قدم پر چلنے والا قرار دیا گیا ہے۔

یا ایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین (ترجمہ) "اے ایمان والو حلقۂ اسلام میں پوری پوری طرح داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو وہ تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے" پھر ان لوگوں کو جو جماعت میں بظاہر یا قولاً شامل ہیں مگر عملاً اپنی تفرقہ پسندی سے اسکی تخریب کر رہے ہیں۔ مسلمانوں سے بالکل الگ تھلگ قرار دیا ہے۔ ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست منھم فی شیء۔ (اے محمدؐ) جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا (فرقے بنائے) اور کئی گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ تمہارا اُن سے کوئی واسطہ نہیں۔ مومن کو مومن سے ملائے رکھنے والا ایک ہی رشتۂ سرمدی ہے اور وہ جماعت ہے۔ جماعت سے الگ رہ کر ایمان کا دعوےٰ ایک ستم ظریفی اور خود فریبی ہے۔ اگر آج مسلمانوں کی تباہی و بربادی۔ ذلت و مسکنت کی طول طویل اور دلخراش کہانی کے لئے کوئی موزوں عنوان تلاش کیجئے تو "بے مرکزی" کے علاوہ اور کوئی نہیں ملے گا۔ مسلمان آج بھی خدا پر ایمان اور رسول کی رسالت پر یقین رکھتا ہے۔ نماز روزہ۔ حج، زکوٰۃ ہر رکن بری بھلی صورت میں ہر وقت اور ہر جگہ ادا کیا جا رہا ہے۔ تیرہ صدیاں گزر جانے پر بھی ارکان دین اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ پھر بات کیا ہے کہ مسلمان خوار و زبوں ہے ؟ ؎

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

لیکن قرآنی عکس رے (X' RAY) کی مدد سے دیکھئے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ جسم ملت کی ریڑھ کی ہڈی میں وہ گودا ہی نہیں رہا جس کی مدد سے وہ اپنے سہارے پر کھڑا ہوتا

اور حرکت کرتا تھا۔ دین اور دین کے نام پر پچاس ہزار رسمیں باقی ہیں۔ مگر وہ روح مفقود ہو چکی ہے جو ایمان کو عمل میں اور عمل کو زندہ و پایندہ نتائج میں جلوہ گر کرتی تھی۔ زبانیں مسلمان ہیں مگر قلوب و اذہان کافر اور ضمیر مرتد ہو چکے ہیں۔ اللہ کے آخری پیغام کے ساتھ مسلمان اجتماعی استہزا اور عملی تلعب کے مرتکب ہو رہے ہیں جس کی سزا دنیا میں مسکنت اور ذلت اور آنے والی زندگی میں جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ افراد میں خال خال ابھی وہ حرارت باقی ہے جو اسلام نے پیدا کرنی چاہی تھی۔ مگر یہاں تو اجتماعی موت و حیات کا سوال ہے۔ اسلام تو آیا ہی اس لئے ہے کہ تمام تفرقے اور گروہ بندیاں مٹا کر بنی نوع آدم کو بلا امتیاز نسل و رنگ ایک کر دے۔ پھر یہ کیونکر قابل عفو ہے کہ اس پیغام کے حامل اور اس کی غلامی کا دعویٰ کرنیوالے جن پر تمام اقوام عالم میں سب سے زیادہ اور شدید ترین ذمہ داری عائد ہوتی ہے ٹھیک وہ راہ اختیار کریں جس سے اسلام نے سختی سے روکا ہے؟ یہی وہ نکتہ ہے جس کو قرآن کریم نے بار بار مختلف پیرایوں میں پیش کیا ہے۔ مسجد ضرار سے متعلق لا تقم فیہ ابدًا کی قرآنی تنبیہ اسی لئے نازل ہوئی تھی کہ یہ قوت اسلام کو پارہ پارہ کرنے والے گروہ منافقین کا دار المشورت اور اُن کی دسیسہ کاریوں کا مرکز بن چکی تھی۔ پیغمبر خدا (صلعم) نے فتنہ و فسا د اور مکر و زُور کے اس خطرناک اڈے کو اسی لئے جلا دیا تھا کہ یہاں نظام ملت میں روڑے اٹکانے کے منصوبے سوچے جاتے تھے۔ یہ "مسجد" زمیں بوس اسی لئے کر دی گئی تھی کہ مرکز ایمان کے مقابلے میں کفر و نفاق کی پناہ گاہ تھی۔

خدا اور رسول اور روح اسلام کو کوئی فعل اس سے زیادہ ناخوش کرنے والا نہیں کہ اسلام کی اجتماعیت کو خفیف سے خفیف صدمہ پہنچے۔ سارا کلام الٰہی اس پر شاہد ہے۔ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ہمیشہ قیام جماعت اور استحکام مرکز کی شدید تاکید فرمائی ہے۔ جماعت کی تخلیق و تعمیر، قیام حکومت الٰہیہ کی طرف پہلا قدم ہے اور یہی وہ قوت ہے جو اسلام کو زندہ رکھتی ہے۔ جو قوم اللہ کی حکومت قائم کرنے کے لئے مامور ہو اس کے لئے ایک ہوئے بغیر

اور ایک ہو کر اپنی تقدیر کی خود مالک بننے بغیر اور کوئی چارہ نہیں۔ جماعت پیدا کرنے اور جماعت میں رہنے کے اصرار میں یہی حکمت پوشیدہ ہے۔ بیسیوں احادیث جن سے قرآن کریم کی اس تعلیم کی تائید ہوتی ہے پیش کی جا سکتی ہیں۔ یہاں مثالاً چند نقل کی جاتی ہیں۔ اسوۂ رسول کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے مسلمان ـــــ علماء خصوصاً اور عوام عموماً ـــــ اس آئینہ میں اپنی سیرت کے خدوخال دیکھیں۔ اور اگر خدا توفیق دے تو غور کریں کہ کیا وہ ان نبوی ارشادات پر عمل کر رہے ہیں؟

(۱) ید اللہ علی الجماعۃ ـ یعنی جماعت (ہی) پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ اس حدیث کی حکمت پر غور کیجئے! ساری ملت کی زندگی کا پیام لئے ہوئے ہے۔ افراد کا زہد و تقدس فضل و کمال اور امارت و وزارت اپنی جگہ پر بہت خوب۔ مگر جب تک یہ سارا سرمایہ تعمیر ملت میں صرف نہیں ہوتا۔ "غیر اسلامی" اور بیکار ہے۔ افراد جب مل کر ایک مرکز پر آتے ہیں اور مقصد اللہ کا بتایا ہوا مقصد ہوتا ہے تو ان تنصروا اللہ ینصرکم کا وعدہ پورا ہو جاتا ہے۔ ویثبت اقدامکم کا سماں پیدا ہو جاتا ہے۔

(۲) لاصلوٰۃ الا بالجماعۃ ـــــ "نماز جماعت کے بغیر قابل قبول نہیں"۔ پچھلی اشاعت میں "اخوت و اجتماعیت" کے ماتحت ارکان اسلام کا ذکر کرتے ہوئے عرض کر دیا گیا ہے کہ نماز اسلامی اجتماعیت کا بہترین مظاہر لھذا بہترین عبادت ہے۔ لہٰذا انفرادی نماز عند اللہ اور عند الرسول مستحسن اور پسندیدہ نہیں۔ خدا کا صاف کھلم کھلا حکم ہے وارکعوا مع الراکعین۔ یعنی مل کر نماز پڑھو۔

(۳) من شذ شذ فی النار۔ "جو جماعت سے علیحدہ ہوا واصل جہنم ہوا"۔ مرکز ملت سے کٹنے۔ اپنوں سے علیحدہ ہو کر دوسروں کے ساتھ سررشتۂ اخوت مضبوط کرنے والوں کے لئے اس سے بہتر اور ٹھکانا ہو بھی کیا سکتا ہے! مگر ومن یضلل اللہ فلا ھادی لہ ـ

(۴) علیکم بالجماعۃ والسمع والطاعۃ :۔ اے مسلمانو! تم پر فرض ہے کہ ایک ہی جماعت پیدا کرو۔ پھر اس جماعت کے امام کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو۔" مسلمانوں کے لئے حکم تھا کہ وہ بے جماعت زندگی بسر نہ کریں۔ لیکن مرحبا و آفرین کہ محکومانہ بیچارگی نے ان سے یہ لیاقت بھی چھین لی۔ خدا خدا کر کے ہندی مسلمان نے کروٹ بدلی تھی اور اس کی بکھری قوتیں سمٹ رہی تھیں۔ مگر خود "اپنوں" نے اس قوت کو پارہ پارہ کرنے کی ٹھان لی ہے۔ ایک طبقہ اپنے زہد و تقدس کے پندار میں ملت و دین سے خفا ہے تو دوسرا وزارت و امارت کے خمار میں غیروں سے پیمان استوار کر چکا ہے۔ حقیقت دونوں کی ایک ہے۔ دونوں غارتگرانِ ملت اور بندگانِ غیر ہیں!

(۵) دوسرے موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا اگر کسی جنگل میں صرف تین آدمی ہی ہوں تو اُن کے لئے وہاں رہنا ٹھیک نہیں تاآنکہ ان میں ایک کو امیر مقرر کر لیا جائے (حدیث)

(۶) پھر مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ اگر وہ کسی ایسے شہر کے پاس سے گزریں جس میں بادشاہ (امیر) نہ ہو تو وہ اس شہر میں داخل نہ ہوں۔ کیونکہ بادشاہ مظلوموں کے لئے اللہ کا سایہ ہے اور فساد کو روکنے کے لئے اللہ کا نیزہ ہے" (حدیث)

اس ارشاد کا درس مضمر یہ ہے کہ صرف امیر ہی ہے جو جماعت کی شیرازہ بندی کر سکتا ہے اور صرف جماعتی زندگی ہی ہے جو امن و سلامتی کی ضامن ہو سکتی ہے۔ جس بستی کو امیر اور جماعت نصیب ہے۔ اس پر خدا کی رحمت۔ اور جس قریہ کا والی وارث اور رکھوالا کوئی نہیں جہنم کدہ ہے جس سے مسلمان کو دور رہنا چاہئے! بغیر امیر اور جماعت کے اسلامی زندگی کا تصور ایسا ہی ہے جیسے بغیر روح کے بدن کا۔ بغیر سالار کے قافلہ کا۔ یا زیادہ واضح الفاظ میں بغیر رشتہ تسبیح کے تسبیح کا۔

قیام جماعت کا مقصد

قیام جماعت کے لئے اس متواتر تاکید پر مزید غور و فکر کی ضرورت ہے۔ معلوم کرنے اور سمجھنے کی یہ بات ہے کہ اسی جماعت کا مقصود اصلی کیا ہے۔ اگر قیام جماعت مقصود بالذات ہوتا تو جیسا ابھی ابھی عرض کیا جا چکا ہے۔ اسلام

سے قبل بھی بے شمار جمعیتیں موجود تھیں۔ کسی ایک کے ساتھ وابستگی کافی ہوتی۔ نیا ضابطہ۔ نئے بنیادی قوانین۔ ایک خاص طرز حیات اور نئی شریعت کی کیا ضرورت تھی؟ اور سب سے زیادہ یہ کہ اسلامی جماعت کو دیگر جماعتوں میں ضم ہونے سے روکنے کے لئے بار بار وحی آسمانی کیوں اترتی رہی۔ مومنوں کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ اور کفار کو دوست بنانے سے کیوں روکا گیا؟ اس لئے اور محض اس لئے کہ نبی اُمی کی دامن گرفتہ جماعت اپنے مقصد زیست۔ اپنے مرتبہ و مقام، آغاز اور انجام کے لحاظ سے ایک بالکل اچھوتی اور نرالی شان کی مالک ہے۔ قرآن حکیم کی زبانی سنئے کہ وہ عظمت جو اگلی پچھلی اُمتوں میں صرف اُمت محمدیہ ہی کے حصہ میں آئی ہے کیا ہے:۔

کنتم خیر اُمۃٍ اُخرجت للناس (ترجمہ) تم وہ بہترین اُمت ہو جو انسانوں کی تامرون بالمعروف وتنھون رہنمائی کے لئے اُٹھائی گئی ہے۔ جو لوگوں کو معروف عن المنکر کا حکم دیتی ہے اور منکر سے روکتی ہے۔

عام طور پر معروف کا ترجمہ "نیکی" اور منکر کا "برائی" کیا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے۔ لیکن اگر قرآن کریم کی روشنی میں عالم انسانی کی اصلی منزل اور پھر ساری اُمتوں میں ملت بیضا کے مقام اور اس کے مشن پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نیکی ہر وہ کام ہے جو خلافت الٰہی کے قیام پر منتج ہو اور برائی ہر وہ کام ہے جو افراد و جماعت کو اس منزل سے دور کر دے! صداقت: امانت۔ عدل علم پروری۔ عفت۔ غریب نوازی وغیرہ اگر نیکیاں ہیں تو اسی لئے۔ جھوٹ۔ خیانت ظلم۔ جہالت۔ ہٹ دھرمی وغیرہ اگر برائیاں ہیں تو اس لئے کہ ان سے اس اجتماعی حیات کا نشوونما رک جاتا ہے جو اللہ کی حکومت کے قیام کے لئے ضروری ہے۔ اُمت مسلمہ کی فضیلت کا خلاصہ ہی یہ ہے کہ وہ خلافت الٰہیہ کے قیام کے لئے اُٹھی ہے۔ اس کا آمر معروف اور ناہی عن المنکر ہونا یہی ہے اور انہی معنوں میں وہ اخص ترین اُمت ہے ؎

میانِ اُمتاں والا مقام است!
کہ آں اُمت دوگیتی را امام است!

دوسری جگہ اس اُمت کی شان میں فرمایا گیا:۔

وکذلک جعلناکم اُمۃً وسطًا
لتکونوا شھداء علی الناس و
یکون الرسول علیکم شھیدًا

(اے امت محمدیہ) جس طرح ہم نے تم کو قبلہ کے بارے میں فضیلت دی۔ اسی طرح ہم نے تم کو اُمت وسطٰہ (یعنی مرکزی اہم ترین اور عادل ترین اُمت) بنایا تاکہ تم دنیا کی تمام قوموں پر اسی طرح نگراں ہو سکو جس طرح رسول تم پر نگراں اور گواہ ہے

جس طرح خاتم النبیین کی ذات خلاصۂ موجودات اور خیر البشر ہے۔ اسی طرح اس رسول اعظم کی حلقہ بگوش اُمت بھی اقوام عالم کی سرتاج اور خیر الامم ہے۔ یہ فضیلت اور بزرگی انعام ہے۔ اُس عظیم الشان کارنامہ کا جو یہ اُمت سرانجام دے چکی ہے اور جس کو بجالانے پر تا قیام قیامت مامور ہے۔ یہ کارنامہ وہی ہے جس کا ذکر اوپر کی دو آیتوں میں ہو چکا ہے۔

چونکہ **معروف** کے لئے حکم کرنا اور منکر سے روک دینا صرف وعظ و تلقین اور دعوت و ارشاد سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس اہم فریضہ کے لئے **قوت** بھی درکار ہے۔ اللہ نے اس اُمت کو زمین پر تمکن عطا کرنے اور اُس کو مشرق و مغرب کا وارث بنانے کا وعدہ بھی فرمایا۔ یہاں اگر یہ شے واضح طور پر ذہن میں آجاتی ہے کہ جو شے اسلام اور دیگر ادیان میں مابہ الامتیاز ہے وہ یہی ہے کہ اسلام بغیر حکومت الٰہیہ کے اسلام ہی نہیں رہتا اور اس کے برعکس دیگر مذاہب جب تک حکومت سے پیچھا نہ چھڑا لیں، اپنی اصلیت پر نہیں آتے! ؎

اس کو پینے کے لئے چاہئے ظرف عالی
یہ شراب آئی ہے توحید کے خمخانوں سے

خیر امۃ سے ارشاد ہوتا ہے:۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم
وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض

جو لوگ تم میں ایمان لائیں اور عمل صالح کریں اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اُن کو زمین کی حکومت عطا فرمائیگا

كما استخلف الذين من قبلهم وليمكنن	جس طرح ان سے پیشتر اس نے ان شرائط کو پورا کرنے
لهم دينهم الذى ارتضى لهم	والوں کو حکومت عطا فرمائی تھی اور ان کے اس دین
وليبدلنهم من بعد خوفهم امنا	کو جو ان کے لئے منتخب کیا گیا ہے متمکن کرے گا
(سورۂ نور رکوع ۷)	اور ان کے خوف کو یقیناً امن سے بدل دے گا۔

پھر یقین دلایا جاتا ہے لن يجعل الله للكفرين على المؤمنين سبيلاً ۔ اللہ مومنوں پر کافروں کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دے گا۔مومنوں کی مدد اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے دکان حقاً علينا نصر المؤمنين مومنوں سے کہا جاتا ہے کہ اگر وہ صحیح معنوں میں مومن ہیں تو وہی دنیا میں سب سے زیادہ اونچے اور سربلند ہوں گے۔

تمکن فی الارض کا مژدہ۔ مومنوں کو غالب اور کافروں کو مغلوب رکھنے کا وعدہ یہ سب کچھ اسی لئے تھا کہ مومن کفن بردوش اللہ کا نام بلند کرنے اور صرف اسی کی حکومت قائم کرنے اٹھا تھا یہی اس کا جنون تھا جو اس کی رگ رگ میں بجلیاں بھر کر اشداء على الكفار بنا تا تھا۔ یہی للّٰہی جذبہ تھا جس نے ان تنصروا الله ينصركم ويثبت اقدامكم کے مصداق ہر طرف خدا کی رحمت اور نصرت کو اپنا عناں گیر بنایا۔

ان تصریحات کے بعد یہ ذہن نشین ہو جانا چاہئے کہ اللہ اور اس کے برگزیدہ رسول نے جماعت کے قیام پر زور اسی لئے دیا ہے۔ اور جس جماعت کے قیام پر زور دیا ہے وہ جماعت مومنین قانتین کی خالص جماعت ہے جس کا مقصد زیست قوموں کی رہنمائی اور پاسبانی ہے۔ قوموں کی ہدایت اور نگرانی کا فریضہ اس قدر اہم اور مشکل ہے کہ بغیر وحدت امت کے ادا نہیں سکتا مسلمان جب تک مسلمان ہے اس کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار ہی نہیں کہ وہ ایک مرکز سے مربوط رہے۔ اللہ کو "ہجوم" مومنین کی ضرورت نہیں کہ اس کے دین کو صف بستہ۔ کمربستہ۔ طوفان سے ٹکرا جانے والوں کی ایک منظم جماعت کی ضرورت ہے۔ اگر مسلمان ایک ایسی جماعت پیدا نہیں کرسکتا یا اس کے رونما کرنے میں ممد و معاون نہیں ہو سکتا تو وہ عملاً خدا کی توحید اور ختم رسالت

کی تکذیب کررہا ہے اِنّ فی ذٰلکَ لَاٰیٰتٍ لقومٍ یعقلُون ۔

یہ جماعت کس طرح قائم ہوتی ہے

اور یہ چیز کھول کر بیان ہو چکی ہے کہ اسلام چند بے حقیقت ۔ سطحی اور رسمی عقاید کا نام نہیں ۔ بلکہ یہ ایک اٹل ۔ ہمہ گیر ۔ اجتماعی ضابطۂ حیات (CODE-OF-LIFE.) ہے جو زندگی کے ہر پہلو بلکہ ہر سانس پر حاوی ہے ۔ جماعت کے بغیر اسلام اسلام نہیں ہے لا اسلام اِلا بالجماعۃ (عمرؓ) جس جماعت کے بغیر اسلام زندہ نہیں رہتا ۔ اس کی ہیئت ترکیبی اوپر کے صفحات میں واضح کی جا چکی ہے ۔ اب ذرا عمیق نظر سے اس چیز کو دیکھنا ہے کہ یہ جماعت کیونکر قائم ہوتی ہے اور کس طرح زندہ رہتی ہے ۔

مسلمانوں سے کہا گیا ہے :۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہٖ ولا تموتُنّ اِلا وانتم مسلمون ۝ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اَعْدَاءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہٖ اخوانًا وکنتم علی شفا حفرۃٍ من النار فانقذکم منہا کذٰلک یبینُ اللہ لکم اٰیٰتہٖ لعلکم تھتدون ۝	(مفہوم) اے ایمان والو اللہ سے پوری پوری طرح ڈرو اور مرنے سے پہلے پوری پوری طرح اس کے اطاعت گزار ہو جاؤ (اس کی شکل یہ ہے) کہ اللہ کی رسی مل کر مضبوطی سے پکڑو اور ٹکڑے ٹکڑے مت ہو ۔ یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو کہ جب تم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور تم بفضل خدا بھائی بھائی بن گئے ۔ عین اس حالت میں کہ تم جہنم کے کنارے پر پہنچ چکے تھے اس نے تم کو بچا لیا اللہ تمہارے فائدہ کے لئے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے کہ تم راہ راست پر قائم رہو

یہ درخشندہ آیت اپنی تفسیر آپ ہے ۔ قرآن مجید نے جہاں یا ایھا الذین اٰمنوا کہہ کر خطاب کیا ہے کچھ اوامر ہیں اور کچھ نواہی ۔ یہی سب مل کر مومن کی صحیح تعریف بنتے ہیں ۔ ان

آیات سے واضح ہے کہ من جملہ اور باتوں کے مومن وہی ہے :-

(۱) جو صرف اللہ ہی سے ڈرے (حق تقاتہ) ——— یعنی

(۲) اس کا پورا پورا اطاعت گزار ہو ——— یعنی

(۳) اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے ——— یعنی

(۴) گروہوں میں نہ بٹے اور مرکز سے نہ کٹے۔

ان زندگی بخش احکامات پر عزم و تسکین کے ساتھ ثابت قدم رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہ سماں یاد دلایا ہے جب انسان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ فرزندان کے پیدائشی حقوق ضبط ہو رہے تھے۔ دلوں میں بغض و حسد کے جہنم دہک رہے تھے۔ اسلام لانے کے بعد انہی درجۂ انسانیت سے گرے ہوئے انسانوں کو اللہ کے لطف و کرم نے نواز کر باہم شیر و شکر کیا۔ اس ساری تبیین و توضیح سے قرآن اس چیز کو واشگاف طور پر سامنے لانا چاہتا ہے کہ اس صراط مستقیم پر مومن قائم نہیں رہیں گے تو پھر وہی دہکتا ہوا جہنم ہے جس کے کنارے پر وہ قبل اسلام پہنچ چکے تھے۔

آیۂ یا ایھا الذین امنوا ...... الخ سے جو چار نتائج اخذ کر کے اوپر رکھے گئے ہیں اُن پر غور کیجئے۔ معلوم ہو گا کہ (۱) خوف خدا (۲) اس کی مکمل اطاعت (۳) اور متحد ہو کر رہنا تینوں چیزوں کا مدار" اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے یعنی اعتصام بحبل اللہ پر ہے۔ یہ اعتصام کیا ہے۔ اس کی تفصیل اُن اوامر و نواہی کی عملی پابندی ہے جن پر کتاب اللہ مشتمل ہے مگر اس کا مختصر فارمولا (FORMULA) بھی پیش کر دیا گیا کہ کوئی اشکال۔ کوئی پیچیدگی اور کوئی حیلہ نظام ملت سے الگ رہنے کے لئے کارگر نہ ہو سکے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ	اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو۔ اللہ کے
و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم	رسول کی اطاعت کرو اور اس صاحب امر کی جو تم میں سے ہو۔

اور جس مسلک زریں کا ذکر ہوا ہے اس کی تین کڑیاں اللہ۔ رسولؐ۔ اور اللہ و رسول کا قائم مقام امیرؒ ہے۔ ان میں سے ایک بھی کڑی غائب ہو تو اللہ کی وہ رسی جس کو مضبوطی سے پکڑے بغیر ایمان ایمان ہی نہیں باقی نہیں رہتا یہی راز ہے جس کو سمجھ لینے یا نہ سمجھ سکنے پر ملت کی موت و حیات کا دار و مدار ہے۔ صدر اول کے مسلمان جن کے قلوب پر آفتاب نبوت نے اپنی اولین شعاعیں ڈالی تھیں اس راز کو سمجھ چکے تھے۔ یہ یقین اُن کی رگوں میں خون بن کر دوڑتا اور نگاہوں میں نور بن کر چمکتا تھا کہ اسلام اعتصام بحبل اللہ ہے اور اعتصام بحبل اللہ جماعتی زندگی اور جماعتی زندگی میں امیر کی مکمل اطاعت ہے۔

اشاعت آئندہ میں ہم عرض کریں گے کہ **اطاعت امیر** کا قرآنی مفہوم کیا ہے۔ اس مفہوم کو بدل کر کیا سے کیا بنا دیا گیا اطاعت کی روح ملت میں کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے وغیرہ وغیرہ انشاء اللہ۔ بیدہ التوفیق۔

بخاری شریف کی چند احادیث مقدسہ

اصل متن از صحیح بخاری مطبوعہ ازہر (مصر) ۱۳۴۳ھ

ترجمہ اردو: از سید عبدالدائم صاحب جلالی بخاری۔ شائع کردہ رسالہ مولوی دہلی

ایک آیت کی تفسیر: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان موسے کان رجلا حییا ستیرا لا یریٰ من جلدہ شیئ استحیاء منہ فاذاہ من آذاہ من بنی اسرائیل فقالوا ما یستتر ھذا التستر الا من عیب بجلدہ اما برص واما أدرۃ واما آفۃ وان اللہ اراد ان یبرئہ مما قالوا لموسی فخلا یوما وحدہ فوضع ثیابہ علی الحجر ثم اغتسل فلما فرغ اقبل الی ثیابہ لیاخذھا وان الحجر عدا بثوبہ فاخذ موسے عصاہ وطلب الحجر فجعل یقول ثوبی حجر ثوبی حجر حتی انتھی الی ملاء من بنی اسرائیل فرآوہ عریانا احسن ما خلق اللہ وأبرأہ مما یقولون وقام الحجر فاخذ ثوبہ فلبسہ وطفق بالحجر ضربا بعصاہ فواللہ ان بالحجر لندبا من أثر ضربہ ثلاثا او اربعا او خمسا فذالک قولہ یا ایھا الذین لا تکونوا کالذین آذوا موسے فبرأہ اللہ مما قالوا وکان عند اللہ وجیھا۔ (بخاری شریف جلد دوم ص ۱۵۳)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں، حضور والا نے ارشاد فرمایا۔ کہ موسٰے نہایت باحیا اور ستر کو چھپانے والے تھے۔ چوں کہ ان کے مزاج میں شرم تھی۔ اس لیے کوئی ان کے حصّہ بدن کو دیکھ نہ سکتا تھا۔ لیکن بعض موذی بنی اسرائیل نے ان کو ایذا پہنچائی اور کہنے لگے۔ یہ اس قدر پردہ صرف اس وجہ سے کرتے ہیں کہ ان کے بدن میں کوئی عیب ہے۔ برص ہے۔ یا باد خایہ ہے یا اور کوئی مرض۔ اس لیے خدائے تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ موسٰی کو بنی اسرائیل کی افترا بندی سے بری کردے۔ چنانچہ ایک روز حضرت موسٰی تنہائی میں غسل کرنے

کھڑے ہوئے۔ کپڑے اُتار کر پتھر پر رکھے اور خود غسل کرنے لگے۔ غسل سے فارغ ہو کر جب کپڑے لینے کے لیے بڑھے تو پتھر کپڑے لے کر بھاگا۔ موسیٰؑ لاٹھی لے کر (برہنہ) پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے چلے۔ او پتھر میرے کپڑے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے پاس تک پہنچ گئے۔ لوگوں نے ان کو برہنہ دیکھ لیا اور معائنہ کر لیا کہ بہت ہی عمدہ ساخت کے آدمی ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے (اس ذریعہ سے) بنی اسرائیل کی افترا بندی سے ان کو بری کر دیا۔ بالآخر پتھر بھی رُک گیا۔ موسیٰؑ نے اپنے کپڑے بھی لے لیے اور پھر لاٹھی سے پتھر کو مارنے لگے۔ حضورؐ فرماتے ہیں خدا کی قسم موسےٰ کے مارنے کی وجہ سے پتھر پر تین یا چار یا پانچ نشان پڑ گئے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ خدائے تعالیٰ کے مذکورۂ ذیل قول کا یہی مطلب ہے یاایھا الذین آمنوا لاتکونوا کالذین آذوا موسے فبرأہ اللہ مما قالوا وکان عند اللہ وجیھا یعنے اے مسلمانو۔ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ۔ جنہوں نے موسیٰؑ کو اذیت دی تھی اور خدائے تعالیٰ نے ان کے قول سے موسےٰؑ کو بری کر دیا تھا کیوں کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ باآبرو تھے۔

(۲) **حضرت موسےٰؑ کی وفات** عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال ارسل ملک الموت الی موسیٰ علیہما السلام فلما جاءہ صکہ فرجع الی ربہ فقال ارسلتنی الی عبد لا یرید الموت قال ارجع الیہ فقل لہ یضع یدہ علی متن ثور فلہ بما غطت یدہ بکل شعرۃ سنۃ قال ای رب ثم ماذا ثم الموت قال فالآن قال فسأل اللہ ان یدنیہ من الارض المقدسۃ رمیۃ بحجر قال ابوھریرۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت ثم لأریتکم قبرہ الی جانب الطریق تحت الکثیب الاحمر۔

(بخاری شریف جلد دوم ص ۱۵۴)

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں۔ ملک الموت کو حضرت موسیٰؑ کے پاس بھیجا گیا۔ ملک الموت نے جا کر کہا۔ اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرو۔ موسےٰؑ نے ملک الموت کی آنکھ پر گھونسا مارا جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی۔ فرشتۂ موت خدائے تعالیٰ کے پاس واپس گیا۔ اور عرض کیا۔ الٰہی تو نے مجھے

ایسے بندے کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا۔ خدائے تعالیٰ نے ملک الموت کو دوبارہ آنکھ عطا فرمادی۔ اور ارشاد فرمایا کہ واپس جا کر ان سے کہو۔ اگر تو زندگی چاہتا ہے تو اپنا ہاتھ بیل کی پشت پر رکھ۔ جس قدر بال تیرے ہاتھ کے نیچے آئیں گے اتنی ہی سال کی تیری عمر ہوگی (ملک الموت نے موسیٰ ؑ کے پاس جا کر خدا کا حکم پہنچا دیا) موسےٰ ؑ نے کہا الٰہی اس کے بعد کیا ہوگا؟ خدائے تعالیٰ نے فرمایا، موت۔ حضرت موسیٰ ؑ نے عرض کیا تو پھر ابھی سہی۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ ؑ نے خدا سے دعا کی کہ مجھے بیت المقدس سے ایک پتھر پھینکنے کی مسافت تک قریب کردے (خدائے تعالیٰ نے حضرت موسےٰ ؑ کو بیت المقدس کے پاس پہنچا دیا۔) حضرت ابوہریرہ ؓ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو حضرت موسےٰ ؑ کی قبر بتائے دیتا ہوں۔ سُرخ ٹیلے کے نیچے راستہ کے کنارہ پر ہے۔

---

(۳) **حضرت ابراہیم ؑ کے تین جھوٹ** عن ابی ھریرۃ لم یکذب ابراھیم الا ثلاث کذبات بینما ابراھیم مر بجبار ومعہ سارۃ فذکر الحدیث فاعطاھا ھاجر قالت کف اللہ ید الکافر واخدم نی آجر قال ابوھریرۃ فتلک امکم یا بنی ماء السماء۔

(بخاری شریف، جلد سوم ص ۱۴۹)

حضرت ابوہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین جھوٹ بولے تھے۔ ایک بار تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک جابر بادشاہ کے (ملک کی) طرف سے گزر رہے تھے۔ اور حضرت سارہ ہمراہ تھیں (اس وقت حضرت ابراہیم نے جھوٹ بولا تھا) اور اس بادشاہ نے حضرت سارہ کو ہاجرہ دے دی تھی اور حضرت سارہ نے فرمایا تھا کہ اس کافر کی درازدستی کو خدا نے روکا اور مجھے اس نے خدمت کے لیے ہاجرہ دے دی۔ حضرت ابوہریرہ نے اس حدیث کے بیان کے بعد فرمایا کہ اے ماء السماء کی اولاد (یعنے عرب) یہی تمہاری ماں تھی۔

---

(۴) **حضرت ابراہیم کی اپنے جھوٹ پر ندامت** عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنھا

قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوما بلحم فقال ان اللہ یجمع یوم القیامۃ الاولین والاخرین فی صعید واحد فیسمعھم الداعی وینفذھم البصر وتدنو الشمس منھم فذکر حدیث الشفاعۃ فیاتون ابراھیم فیقولون انت نبی اللہ وخلیلہ من الارض اشفع لنا الی ربک فیقول فذکر کذباتہ نفسی نفسی اذھبوا الی موسٰی (بخاری شریف جلد ۲ ص ۱۴۳)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں۔ ایک روز حضور کی خدمت میں کچھ گوشت پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا اگلے پچھلے سب لوگوں کو ایک میدان میں قیامت کے دن جمع کرے گا۔ اس وقت بلانے والے کا کا کلام ہر شخص سنے گا۔ اور ہر شخص تمام مجمع کو دیکھ سکے گا۔ آفتاب بہت قریب آجائے گا۔ اس کے بعد حضورؐ نے شفاعت کے متعلق حدیث بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے آپ خدا کے نبی ہیں۔ تمام ساکنان زمین سے آپ ہی اس کے خلیل ہیں۔ خدائے تعالیٰ سے ہماری سفارش کر دیجئے۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے جھوٹ کلاموں کو یاد کرکے کہیں گے آج مجھے اپنی پڑی ہے۔ تم موسٰےؑ کے پاس جاؤ۔

---

(۵) حضرت ابراہیمؑ کا ختنہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ اختتن ابراھیم علیہ السلام وھو ابن ثمانین سنۃ بالقدوم۔ (بخاری شریف جلد دوم ص ۱۴۶)

حضرت ابو ہریرہ رضؓ کہتے ہیں۔ حضور گرامی نے ارشاد فرمایا کہ اسی برس کی عمر میں حضرت ابراہیمؑ نے بسولے سے اپنا ختنہ کیا تھا۔ (بعض لوگوں نے اس حدیث کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ اسی برس کی عمر میں حضرت ابراہیمؑ نے خود اپنا ختنہ مقام قدوم میں کیا تھا۔

---

(۶) حضرت سلیمانؑ

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال قال سلیمان بن داؤد لاطوفن اللیلۃ علی سبعین امراۃ تحمل کل امراۃ فارسا یجاھد فی سبیل اللہ فقال لہ صاحبہ ان شاء اللہ

فلم یقل ولم تحمل شیئاً الا واحدۃ ساقطا احدی شقیہ فقال النبی صلی علیہ وسلم لو قالھا لجاھدوا فی سبیل اللہ ۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں. حضوراقدس صلعم نے ارشاد فرمایا۔ ایک بار سلیمان ؑ نے کہا کہ آج رات میں ستّر عورتوں کا دورہ کروں گا ۔ اور ہر عورت حاملہ ہوکر ایک ایسا شاہسوار پیدا کرے گی جو راہِ خدا میں جہاد کرے گا سلیمان ؑ کے ساتھی (یعنی فرشتہ) نے کہا انشاءاللہ کہو۔ لیکن حضرت سلیمان ؑ نے نہ کہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی عورت حاملہ نہ ہوئی۔ صرف ایک عورت کے آدھا بچّہ پیدا ہوا۔ حضور اقدس صلعم نے فرمایا۔ اگر سلیمان ؑ انشاءاللہ کہدیتے تو سب (سوار پیدا ہونے اور) راہِ خدا میں جہاد کرتے ۔

---

(۷) **حضرت آدم ؑ کا قد** عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صل اللہ علیہ وسلم قال خلق اللہ ادم وطولہ ستون ذراعاً ثم قال اذھب فسلم علی اولئك من الملئکۃ فاستمع ما یحیونك تحیتك وتحیۃ ذریتك فقال السلام علیکم فقالو السلام علیك ورحمۃ اللہ فزادوہ ورحمۃ اللہ فکل من یدخل الجنۃ علی صورۃ آدم فلم یزل الخلق ینقص حتی الان ۔

(بخاری شریف جلد دوم ص ۱۴۱)

حضرت ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں ۔ حضور گرامی صؐ نے ارشاد فرمایا جب خدائے تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو پیدا کیا تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا ۔ پیدا کرنے کے بعد فرمایا ۔ جاؤ، فرشتوں کی جماعت کو سلام کرو اور جو کچھ وہ جواب دیں ۔ سن رکھو۔ کیوں کہ یہی سوال وجواب تمہارا اور تمہاری اولاد کا ہوگا ۔ حضرت آدم نے جاکر کہا ، السلام علیکم ۔ فرشتوں نے جواب دیا ۔ السلام علیك ورحمۃ اللہ ۔ گویا فرشتوں نے رحمۃ اللہ جواب میں زائد کہا ۔ حضرت آدم کے بعد اب تک برابر قد چھوٹے ہوتے رہے ۔ جو شخص جنّت میں داخل ہوگا ۔ وہ حضرت آدم کی صورت پر (قد کے برابر) ہوگا ۔

---

(۸) **موسموں کی تبدیلی** اباھریرۃ رضی اللہ عنہ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم اشتکت النار الی ربها فقالت رب أکل بعضی بعضاً فأذن لہا بنفسین نفس فی الشتاء ونفس فی الصیف فاشد ما تجدون فی الحر واشد ما تجدون من الزمہریر

(بخاری شریف جلد دوم ص۱۳۶)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں۔ حضور اقدس صلعم نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ دوزخ نے اپنے پروردگار سے شکایت کی اور عرض کیا۔ الٰہی میرا بعض حصہ بعض کو کھائے جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے اس کو دو سانسیں لینے کا حکم دیا۔ ایک سانس موسم سرما میں اور ایک سانس موسم گرما میں۔ چناں چہ بہت سخت گرمی اسی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (اور بہت سخت سردی بھی اسی کی وجہ سے ہوتی ہے)

---

(۹) بھیڑیا اور بیل کی باتیں ان ابا ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بینما راع فی غنمہ عدا علیہ الذئب فاخذ منہا شاۃ فطلبہ الراعی فالتفت الیہ الذئب فقال من لہا یوم السبع یوم لیس لہا راع غیری وبینا رجل یسوق بقرۃ قد حمل علیہا فالتفت الیہ فکلمتہ فقالت انی لم اخلق لھذا ولکن خلقت للحرث قال الناس سبحان اللہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانی أومن بذالک وابوبکر وعمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما (بخاری شریف جلد دوم ص۱۲۹)

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں حضور نے ایک روز ارشاد فرمایا کہ ایک چرواہا اپنی بکریوں میں موجود تھا۔ ایک بھیڑیے نے حملہ کیا۔ اور ایک بکری کو پکڑ کر لے گیا۔ چرواہے نے پیچھا کیا۔ بھیڑیے نے گردن موڑ کر کہا شکار کے دن جب کہ ان بکریوں کا سوا میرے کوئی رکھوالا نہ ہوگا۔ کون اس کی حفاظت کرے گا۔ یہ بھی حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی بیل پر بوجھ لادے ہانکتا جا رہا تھا۔ بیل نے منہ پھیر کر اس سے کہا۔ میں اسلیے پیدا نہیں ہوا ہوں۔ بلکہ کھیتی کے کام کے لیے پیدا ہوا ہوں۔ لوگوں نے حضور کا یہ کلام سُن کر کہا۔ سبحان اللہ کہیں بیل بھی باتیں کرتے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ میںؐ اور ابوبکرؓ و عمرؓ تو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

---

(۱۰) **نمازوں کی تعداد کیسے متعیّن ہوئی**۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم عرج بی حتی ظھرت لمستوی أسمع فیہ صریف الاقلام قال ابن حزم وانس ابن مالک قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ففرض اللہ علی امتی خمسین صلاۃ فرجعت بذالک حتی مررت علی موسی فقال ما فرض اللہ لک علی امتک قلت فرض خمسین صلاۃ قال فارجع الی ربک فان امتک لا تطیق ذالک فرجعت فوضع شطرھا فرجعت الیہ فقال ارجع الی ربک فان امتک لا تطیق ذالک فرجعتہ فقال ھی خمس وھی خمسون لا یبدل القول لدیّ فرجعت الی موسیٰ فقال راجع ربک فقلت استحییت من ربی ثم انطلق بی حتی انتھی بی الی سدرۃ المنتھی وغشیھا الوان لا ادری ماھی ثم ادخلت الجنۃ فاذا فیھا حبایل اللؤلؤ واذا ترابھا المسک۔ (بخاری شریف جلد اول ص۵۰)

آنحضرتؐ نے فرمایا۔ پھر مجھ کو ایک بلند مقام پر پہنچایا گیا۔ جہاں میں نے قلموں سے لکھنے کی آواز سنی ابن حزمؓ اور انسؓ کہتے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا۔ میری امت پر خدا نے پچاس وقت کی نمازیں فرض کی تھیں۔ لیکن جب میں وہاں سے لوٹا، تو موسےٰعؑ نے دریافت کیا۔ خدا نے آپکی امّت پر کیا فرض کیا ہے میں نے کہا پچاس نمازیں۔ موسےٰعؑ بولے کہ خدا کے پاس پھر جاؤ۔ کیوں کہ آپ کی امّت میں اس کی قدرت نہیں ہے۔ میں واپس گیا تو خدا نے نصف نمازیں کم کر دیں۔ میں لوٹ کر موسےٰ کے پاس آیا۔ تو موسےٰ نے پھر وہی اوّل باتیں کیں۔ میں مکرر خدائے تعالیٰ کے پاس گیا اور کچھ نمازیں اور کم ہوگئیں۔ میں نے موسےٰعؑ سے آکر کہدیا۔ اُنہوں نے کہا پھر وہیں جاؤ کیوں کہ تمہاری امّت میں اتنی طاقت بھی نہیں ہے۔ میں پھر گیا۔ چنانچہ خداتعالیٰ نے پانچ نمازیں باقی رکھیں۔ اور فرمایا یہ حکم میں اور ثواب میں پچاس کی برابر ہیں۔ کیوں کہ ہمارے قول میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ میں موسےٰ کے پاس آیا تو اُنہوں نے وہی پہلی بات کہی۔ میں نے کہا کہ اب مجھے شرم آتی ہے۔ اس کے بعد مجھے جبرائیل لے چلے۔ یہاں تک کہ میں سدرۃ المنتھی پہنچ گیا اور طرح طرح کے رنگوں سے ڈھکا ہوا تھا جن کی حقیقت میں نہیں جانتا۔ پھر میں جنت میں داخل ہوا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ اس میں موتیوں کے گنبد ہیں اور اس کی مٹی مشک کی ہے۔

(۱۱) **حضرت عمرؓ کی فضیلت یا**...... ان اباھریرۃ رضی اللہ قال بینا نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ قال بینا انا قائم رایتنی فی الجنۃ فاذا امراءۃ تتوضاء الی جانب قصر فقلت لمن ھذ القصر قالو العمر فذکرت غیرتہ فولیت مدبرا فبکی عمرؓ قال أعلیك أغار یا رسول اللہ۔ (بخاری شریف جلد دوم صـ۱۸۲)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں ایک بار ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا۔ میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ میں جنت میں ہوں۔ اور ایک عورت محل کے کنارے پر وضو کر رہی ہے میں نے پوچھا یہ محل کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا۔ عمر کا۔ مجھے عمر کی غیرت یاد آئی۔ اس لیے پشت پھیر کر لوٹ آیا حضرت عمر یہ سن کر رونے لگے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا حضورؐ پر میں غیرت کروں گا؟

---

(۱۲) **گھر میں نماز** عن عائشۃ زوج النبی صل اللہ علیہ وسلم انھا قالت کنت انام بین یدی رسول اللہ صلی علیہ ورجلای فی قبلتہ فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلی فاذا قام بسطتھما قالت والبیوت یومئذ لیس فیھا مصابیح۔ (بخاری شریف جلد اول صـ۵۶)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں آنحضرت کے سامنے سوتی تھی۔ میرے پاؤں آپ کے سجدہ کی جگہ پر ہوتے۔ جب آپ سجدہ کرتے۔ تو مجھے (ہاتھ وغیرہ سے) اشارہ کر دیتے اور میں پاؤں کھینچ لیتی اور جب آپ کھڑے ہو جاتے تو میں دراز کر لیتی۔ اس زمانے میں گھروں میں چراغ نہیں ہوا کرتے تھے۔

---

(۱۳) **مردوں اور عورتوں کی مخلوط نماز** عن سھلٍ قال کان رجال یصلون مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم عاقدی ازرھم علی اعناقھم کھیئۃ الصبیان وقال للنسآ لا ترفعن رء وسکن حتی یستوی الرجال جلوسًا۔ (بخاری شریف جلد اوّل صـ۵۲)

سہل سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ بعض لوگ لڑکوں کی طرح تہبند گردن میں باندھ کر

نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور عورتوں سے کہا جاتا تھا۔ کہ جب تک مرد بالکل بیٹھ نہ جائیں[1] سر کو مت اٹھاؤ

---

(۱۴) **ایک اور آیت کی تفسیر** عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انکم محشورون حفاۃ عراۃ غرلا ثم قرء کما بدأنا اول خلق نعیدہ وعدا علینا انا کنا فاعلین واول من یکسی یوم القیامۃ ابراھیم وان اناسا من اصحابی یؤخذ بھم ذات الشمال فاقول اصحابی اصحابی فیقول انھم لم یزالوا مرتدین علی اعقابھم منذ فارقتھم. فاقول کما قال العبد الصالح وکنت علیھم شھیدا مادمت فیھم الی قولہ الحکیم۔ (بخاری شریف جلد دوم ص۱۴۵)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں حضور اقدس صلعم نے ارشاد فرمایا۔ تم حشر کے دن ننگے پاؤں ننگے سر بغیر ختنہ کے اُٹھائے جاؤ گے۔ اس کے ثبوت میں حضورؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ کما بدأنا اول خلق نعیدہ وعدا علینا انا کنا فاعلین۔ یعنی جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کیا تھا ویسے ہی دوبارہ پیدا کریں گے۔ یہ وعدہ ہم پر لازم ہو چکا۔ اور یہ کام ہم ضرور کریں گے۔ اس کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کو لباس پہنایا جائے گا۔ اس روز میرے بعض صحابیوں کو بائیں جانب والی قطار کی طرف کھینچا جائے گا۔ یعنی دوزخیوں کی قطار میں) میں کہوں گا یہ تو میرے صحابی ہیں، یہ تو میرے صحابی ہیں۔ کھینچنے والا کہے گا۔ آپ کے جدا ہونے کے بعد یہ لوگ ایڑیوں کے بل (اسلام سے) لوٹ گئے تھے[2]۔ میں اس وقت وہی قول کہوں گا۔ کہ جو اس نیک بندے (عیسیٰ) نے کہا تھا وکنت علیھم شھیدا مادمت فیھم الخ یعنی جب تک میں ان میں رہا۔ ان کا نگران رہا[3]۔ الخ۔

---

[1] یعنی سجدہ کی حالت میں انکا ستر کھل جاتا تھا اس لیے عورتوں سے جو پہلی صف میں ہوتی تھیں۔ ایسا فرمایا گیا تھا [2] مرتد کا ترجمہ ہے [3] سورہ مائدہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ سے پوچھے گا کہ کیا تم نے اپنی امت سے کہا تھا کہ میری اور میری والدہ کی پرستش کرنا وہ عرض کریں گے کہ بار الہا! میں ایسی بات کیوں کر کہہ سکتا تھا۔ میرے بعد ان لوگوں نے خود ہی یہ گمراہی اختیار کر لی۔ جب تک میں ان میں رہا ان کی نگرانی کرتا رہا۔ بعد کا میں ذمہ دار نہیں۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ حضور کے بعد صحابۂ کبار میں سے کچھ (نعوذ باللہ) مرتد ہو گئے تھے۔ ان کے متعلق حضور کہیں گے کہ جب تک میں ان کے اندر رہا ان کی نگرانی کرتا رہا۔ بعد کا میں ذمہ دار نہیں۔

(۱۵) **لونڈیاں عزل** ان ابا سعید الخدری رضی اللہ عنہ اخبرہ انہ بینما هو جالس عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یارسول اللہ انا نصیب[1] سبیاً فنحب الاثمان فکیف تری فی العزل فقال اوانکم تفعلون ذالک لا علیکم ان لا تفعلوا ذالکم فانھا لیست نسمۃ کتب اللہ ان تخرج الا ھی خارجۃ۔ (بخاری شریف جلد دوم ص)

حضرت ابوسعید خدری رضؓ نے خدمت والا میں عرض کیا کہ ہم کو قیدیوں میں باندیاں بھی ملتی ہیں اور ہم ان کی قیمت (فروخت کرکے) وصول کرنی چاہتے ہیں۔ اب اگر صحبت کے وقت عزل کریں تو کیا حکم ہے؟ آپنے فرمایا۔ کیا تم ایسا کرسکتے ہو۔ تم پر اس کا نہ کرنا واجب نہیں ہے۔ کیوں کہ جو جان پیدا ہونا مقدر ہے وہ ہو کر رہے گی۔ (تمہاری تدبیریں بے سود ہیں۔)

---

(۱۶) **ازواج مطہرات** حدثنا انس ابن مالک وقال کان النبی صل اللہ علیہ وسلم یدور علیٰ نسائہ۔ فی الساعۃ الواحدۃ من اللیل والنہار وھن احدی عشرۃ قال قلت لانس اوکان یطیقہ قال کنا نتحدث انہ اعطی قوۃ ثلاثین وقال سعیدٌ عن قتادۃ ان انس احدثھم تسع نسوۃ۔ (بخاری شریف جلد اول ص۴۱)

انسؓ ابن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ دن یارات کی کسی ایک ساعت میں اپنی تمام عورتوں کا جو گیارہ تھیں۔ دورہ فرمالیا کرتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے انس سے دریافت کیا کہ کیا حضرتؐ میں اتنی طاقت تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ باہم یہ کہا کرتے تھے کہ آں جناب میں تیس مردوں کی طاقت تھی یا سعید کی روایت میں جو قتادہ سے ہے گیارہ کی بجائے نو عورتیں ہیں۔

---

[1] اس حدیث سے چار چیزیں ثابت ہیں:
(۱) جنگ کی قیدی عورتوں PRISONERS OF WAR کو فروخت کیا جاتا تھا۔
(۲) جب تک وہ عورتیں فروخت نہیں ہوتی تھیں۔ ان سے تعلقات جنسی روا رکھے جاتے تھے۔
(۳) اس ڈر سے کہ ان کی قیمت کم نہ ہوجائے۔ کوشش کی جاتی تھی کہ انھیں حمل نہ ٹھہرنے پائے
(۴) اور خود نبی اکرمؐ نے ان امور کی اجازت دے رکھی تھی۔

(۱۷) بیوہ اور ناکتخدا عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قلت یارسول اللہ ارأیت لو نزلت وادیا وفیہ شجرۃ قد اکل منہا ووجدت شجرا لم یوکل منہا فی ایہا کنت ترتع بعیرک۔ قال فی التی لم یرتع منہا۔ اعنی ان رسول اللہ علیہ وسلم لم یتزوج بکرا غیرھا۔ (بخاری شریف جلد سوم ص۱۴۸)

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ بتائیے۔ اگر آپ کسی وادی میں فروکش ہوں۔ اور وہاں ایک درخت تو ایسا ہو۔ کہ جس کے پتے چرے گئے ہوں۔ اور ایک درخت ایسا ہو۔ جس کے پتے کسی نے (اپنے جانور کو) نہ چرائے ہوں۔ تو آپ اپنے اونٹ کو کس درخت پر چرائیں گے۔ فرمایا۔ میں وہ درخت چراؤں گا۔ جو کسی نے نہ چرایا ہو۔ اس سے مراد حضرت عائشہ رض کی یہ تھی کہ رسول اللہ نے ان کے علاوہ کسی اور دوشیزہ سے نکاح نہیں کیا تھا۔

---

(۱۸) حضرت صفیہ رض سے نکاح عن انس ابن مالک رضی اللہ عنہ قال قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیبر فلما فتح اللہ علیہ الحصن ذکر لہ جمال صفیۃ بنت حیی بن اخطب وقد قتل زوجھا وکانت عروسا فاصطفاھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لنفسہ فخرج بہا حتی بلغنا سد الروحاء حلت فبنی بہا ثم صنع حیسا فی نطع صغیر ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آذن من حولک فکانت تلک ولیمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی صفیۃ ثم خرجنا الی المدینۃ قال فرأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحوی لہا وراءہ بعباءۃ ثم یجلس عند بعیرہ فیضع رکبتہ فتضع صفیۃ رجلہا علی رکبتہ حتی ترکب۔ (بخاری شریف جلد دوم ص۱۵)

حضرت انس ابن مالک رض فرماتے ہیں کہ جب حضور خیبر کو تشریف لے گئے اور قلعہ فتح ہو گیا تو آپ کے سامنے حضرت صفیہ بنت حیی کی خوبصورتی کا تذکرہ ہوا حضرت صفیہ دلہن ہی تھیں کہ آپ کا شوہر جنگ میں مارا گیا۔ آپ نے حضرت صفیہ رض کو اپنے لیے پسند فرمایا اور ان کو لے کر چلدیے۔ جب مقام سد روحاء میں پہنچے

توحضرت صفیہ حیض سے پاک ہوئیں۔ حضورؐ نے ان سے قربت کی اور صبح کو ایک چھوٹے سے دسترخوان پر حیس نامی کھانا تیار کرایا پھر فرمایا۔ جو لوگ آس پاس ہوں ان کو کھانے کی اطلاع دے دو۔ حضرت صفیہؓ کے نکاح کا بس یہی ولیمہ ہوا۔ اس کے بعد ہم مدینے کو چل دیے اور ہم نے دیکھا کہ حضورؐ اپنے پیچھے چادر مبارک سے حضرت صفیہؓ کا پردہ کرتے تھے اور اونٹ کے پاس بیٹھ کر زانو مبارک نیچے رکھ لیتے اور حضرت صفیہؓ اپنا پاؤں اس پر رکھ کر سوار ہوتیں۔

---

(۱۹) حضورؐ پر جادو عن عائشہؓ قالت سحر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال اللیث کتب الی ھشام انہ سمعہ ووعاہ عن ابیہ عن عائشۃ قالت سحر النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی کان یخیل الیہ انہ یفعل الشیئ وما یفعلہ حتی کان ذات یوم دعا ودعا ثم قال أشعرت ان اللہ افتانی فیما فیہ شفائی اتانی رجلان فقعد احدھما عند رأسی والاخر عند رجلی۔ فقال احدھما للآخر۔ ما وجع الرجل قال مطبوب۔ قال ومن طبہ قال لبید ابن الاعصم قال فیماذا۔ قال فی مشط ومشاقۃ وجف طلعۃ ذکر قال فاین ھو قال فی بئر ذروان فخرج الیھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم رجع فقال لعائشۃ حین رجع نخلھا کانھا رؤس الشیاطین فقلت استخرجتہ فقال لا اما انا فقد شفانی اللہ وخشیت ان یثیر ذالک علی الناس شرا ثم دفنت البئر۔ بخاری شریف جلد دوم ص۱۳۶

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا جادو کیا گیا تھا کہ آپ خیال کرتے تھے۔ میں نے فلاں کام کر لیا۔ حالاں کہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا۔ ایک روز حضورؐ نے دعا کی پھر دعا کی۔ دعا کے بعد مجھ سے فرمایا۔ عائشہؓ کیا تم کو معلوم ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے وہ حکم دیا جس میں میری صحت (مضمر) ہے۔ میرے پاس (خواب میں) دو آدمی آئے۔ ایک میرے سرہانے بیٹھا دوسرا پائینتی۔ ایک دوسرے سے بولا اس شخص کو کیا بیماری ہے؟ اس نے کہا اس پر جادو کیا گیا ہے۔ پہلا شخص بولا۔ کس نے کیا ہے؟ دوسرے نے کہا لبید ابن اعصم نے۔ پہلے نے پوچھا

کس چیز میں کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا۔ کنگھی میں۔ اور کنگھی سے جھڑے ہوئے بالوں میں اور نر چھوارے کے غلاف میں۔ پہلا بولا۔ یہ چیزیں کہاں رکھی ہیں؟ دوسرا بولا۔ چاہ ذروان میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ذروان پر تشریف لے گئے۔ اور لوٹ کر مجھ سے فرمایا کہ اس کنوئیں کو درخت کے کھجور شیطانوں کے سروں کی طرح ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ حضور نے جادو کی چیز وہاں سے نکال ڈالی؟ فرمایا نہیں لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے صحت عطا فرمادی۔ مجھے خوف ہوا۔ کہ کہیں لوگ اس فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد وہ کنواں پاٹ دیا گیا۔

---

(۲۰) **اونٹ کا پیشاب اور قتل کا طریقہ** عن ابی قلابۃ عن انس قال قدم اناس من عکل او عرینۃ فاجتووا المدینۃ فامرھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلقاح وان یشربوا من ابوالھا والبانھا فانطلقوا فلما صحوا قتلوا راعی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واستاقوا النعم وجاء الخبر فی اول النھار فبعث فی آثارھم فلما ارتفع النھار جیئ بھم۔ فامر فقطع ایدیھم وارجلھم۔ وسمرت اعینھم۔ والقوا فی الحرۃ یستسقون ولا یسقون قال ابو قلابۃ فھؤلاء سرقوا وقتلوا وکفروا بعد ایمانھم وحاربوا اللہ ورسولہ۔ (بخاری شریف جلد اول ص۳۷)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ کی خدمت میں قبیلۂ عکل یا قبیلۂ عرینہ کے کچھ آدمی حاضر ہوئے۔ مگر مدینہ کی ہوا ان کو موافق نہ آئی۔ لہذا حضور نے ان کو حکم دیا کہ دودھ دینے والی ان اونٹیوں کے پاس جاکر رہیں جو اس وقت میدان میں چرتی تھیں۔ اور ان ہی کا پیشاب و دودھ پئیں حسب الحکم وہ لوگ (وہاں) چلے اور تن درست ہونیکے بعد مرتد ہو گئے۔ مسلمان چرواہوں کو قتل کر کے اونٹوں کو ہانک کر لیگئے۔ حضور کو اس واقعہ کی اطلاع دن کے شروع حصہ میں ہوئی۔ آپ نے انکے پیچھے آدمی بھیجے۔ دن چڑھنے ہی پایا تھا کہ وہ لوگ حاضر کیے گئے۔ آپ نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر آنکھوں میں سلائی پھیر کر پتھریلی زمین پر (دھوپ میں) ڈالدیا جائے اور کتنا ہی پانی مانگیں۔ پانی نہ دیا جائے۔ ابو قلابہ (راوی) کہتے ہیں کہ ان لوگوں (کے چند قصور تھے۔ انہوں نے) چوری کی، قتل کیا، مومن ہونیکے بعد کفر اختیار کیا اور خدا ...... اور رسول سے جنگ کی

رجسٹرڈ ایل نمبر
4240

معاملہ کی ضروری باتیں

(۱) **طلوعِ اسلام** ہر انگریزی مہینے کی یکم کو التزاماً شائع ہو جاتا ہے اور نہایت احتیاط سے حوالۂ ڈاک کیا جاتا ہے۔

(۲) رسالہ موصول نہ ہونے کی اطلاع - زیادہ سے زیادہ - دس تاریخ تک دیجئے - ورنہ بعد میں شاید پرچہ موجود نہ ہو - اور اگر موجود بھی ہوگا تو بلا قیمت نہ مل سکے گا۔

(۳) تبدیلی پتہ کی اطلاع ۲۵ ر تاریخ سے پہلے پہلے آجانی چاہیئے۔

(۴) جس ماہ کی خریداری کا چندہ ختم ہوتا ہے اس مہینہ کے پرچہ کے اندر ایک اطلاع (جوابی) کارڈ رکھ دیا جاتا ہے - جواب ایک ہفتہ کے اندر اندر آجانا چاہیے۔

(۵) چندہ سالانہ پانچ روپیہ معہ محصول ڈاک ہے - اور قیمت فی پرچہ (۸ر) چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں خریدار کو کفایت اور منتظمین کو سہولت رہتی ہے۔

(۶) ہر رقم موصولہ (خواہ وہ کسی ذریعہ سے موصول ہو) کی ایک رسید بھیجی جاتی ہے۔

(۷) وی - پی - طلب کرنے کے بعد اُسے وصول نہ کرنا ادارہ کو بلاجرم سزا دینے کے مرادف ہے۔

(۸) منی آرڈر کرتے وقت اپنا پتہ پورا اور صاف لکھئے - نیز رقم کی تفصیل بھی درج فرمایئے۔

(۹) آپ اپنا تعارف **نمبر خریداری** کے ذریعہ سے ہی کرا سکتے ہیں - اس لیے اس نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولئے - ورنہ ہمیں بے حد دقت اور آپ کو ناواجب شکایت ہوگی۔

(۱۰) نمبر خریداری یاد نہیں رہا کرتا - کہیں نوٹ کر چھوڑیئے۔

(۱۱) "طلوعِ اسلام" کوئی تجارتی ادارہ نہیں - بلکہ ملّتِ اسلامیہ کے اجتماعی مقاصد کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے اس لیے اس سے اشتراکِ عمل اور معاونت ایک ملی خدمت ہے۔

(۱۲) خوش معاملگی کی استواری کی بنیاد یہ ہے کہ فریقین ہر وقت خدا کو اپنے درمیان رکھیں - واللہ المستعان

(۱۳) نمونے کے پرچے کیلئے ۴ر کے ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔

ناظم
ادارہ طلوعِ اسلام
دہلی